ہفت روزہ
ندائے خلافت

۱۶ اگست ۱۹۹۳ء

☆ غلط انتخابی حکمت عملی نے نواز شریف کو کمزور کر دیا ہے
☆ خلافت راشدہ میں "بیوروکریسی" کے احتساب کا نظام
☆ صدام نے خلیج کی جنگ کو "ام المحارب" کیوں قرار دیا؟

اس دنیا کے خاتمے سے قبل عالمی غلبہ اسلام اور پورے کرہ ارضی پر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے قیام کو میں نصوص شرعیہ میں سے قرآن حکیم سے دلالت نص کی بنیاد پر' اور احادیث نبویہؐ سے صراحت نص کی اساس پر ثابت کر چکا ہوں' مزید برآں علامہ اقبال کے "وژن" کے علاوہ اس کی عقلی اور سائنسی دلیل بھی علامہ اقبال کے فلسفہ خودی کے سب سے بڑے شارح اور اقبال اکیڈمی کے اولین ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم کے نظریہ ارتقاء سے استشہاد کے حوالے سے بیان ہو چکی ہے۔ رہا ان عظیم واقعات و حوادث کا معاملہ جن کی خبریں اس سے متصلاً قبل کے دور کے ضمن میں احادیث نبویہؐ میں وارد ہوئی ہیں تو ان میں سے بھی سوائے ایک یعنی نزول مسیحؑ کے اور کوئی بات نہ خلاف عقل و قیاس ہے نہ مخالف قوانین طبعی۔

چنانچہ جب اس بیسویں صدی عیسوی کے دوران اس سے قبل دو عظیم جنگیں ایسی واقع ہو چکی ہیں جن کا سلسلہ کئی کئی سال تک جاری رہا' اور جن سے بڑے بڑے ملک بھی تہس نہس ہوئے اور کروڑوں کی تعداد میں انسان بھی قتل یا معذور ہوئے' تو کونسی قابل تعجب اور خلاف عقل بات ہو گی اگر ایک تیسری عظیم جنگ بھی واقع ہو جس کا میدان مشرق وسطیٰ کے عرب ممالک بنیں' اور اس کا سلسلہ بھی کئی سالوں کو محیط اور کئی ادوار پر مشتمل ہو اور اس کے نتیجے میں جہاں عظیم تعداد میں عرب مسلمان بھی قتل ہوں' وہاں ان یہودیوں کا تو بالکل ہی قلع قمع ہو جائے جو دنیا کے کونے کونے سے وہاں آ کر آباد ہو رہے ہیں۔

(ڈاکٹر اسرار احمد کے ایک کالم سے ماخوذ جو اس شمارے کے مندرجات میں شامل ہے)

قیمت ۵ روپے

اہم اعلان

یہ اطلاع اس سے قبل ندائے خلافت میں شائع ہو چکی ہے کہ میجر جنرل ریٹائرڈ ایم۔ ایچ انصاری صاحب ملک میں جاری وڈیروں اور جاگیرداروں کے انتخابی کھیل سے مایوس ہو کر اور اسی بنیاد پر جمعیت العلماء پاکستان سے مستعفی ہو کر تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت پاکستان میں باقاعدہ شامل ہو چکے ہیں۔

مرکزی مجلس عاملہ تحریک خلافت پاکستان کے اجلاس منعقدہ یکم اگست ۹۳ء میں مشورہ کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جنرل صاحب موصوف کو ان کی خداداد صلاحیتوں اور تجربہ کے پیش نظر تحریک خلافت پاکستان کی نظامت علیاء کی ذمہ داری حوالے کی جائے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں بطور ناظم اعلیٰ تحریک خلافت پاکستان اپنی ذمہ داریوں کو بحسن و خوبی پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

اس فیصلے کے نتیجے میں (۱) - برادرم مختار حسین فاروقی جنہیں قبل ازیں میں نے ناظم تحریک خلافت پاکستان مقرر کیا تھا' اب ملتان ہی میں ناظم تنظیم اسلامی حلقہ جنوبی پنجاب کے طور پر اپنے فرائض انجام دیتے رہیں گے۔ (۲)- تحریک خلافت پاکستان کا ہیڈکوارٹر بھی مستقلاً خلافت بلڈنگ ۴/ اے مزنگ روڈ لاہور میں ہی رہے گا اور (۳) - برادرم عبدالرزاق حسب سابق ناظم تنظیم اسلامی حلقہ لاہور کے ساتھ ساتھ بطور سیکرٹری تحریک خلافت پاکستان کام جاری رکھیں۔

اسرار احمد

داعی تحریک خلافت پاکستان

فیروزوالا میں جلسہ خلافت

۱۹ اگست بروز جمعرات بعد نماز عشاء فیروزوالا کے جلسہ خلافت میں دیگر مقررین کے علاوہ میجر جنرل (ریٹائرڈ) ایم ایچ انصاری صاحب ناظم اعلیٰ تحریک خلافت پاکستان

"ملکی سیاسی حالات کے پس منظر میں موجودہ مسائل کا حل"

کے عنوان پر خطاب فرمائیں گے

الداعی: محمد اشرف ڈھلوں ناظم تحریک خلافت حلقہ گوجرانوالہ ڈویژن

نظام خلافت ریلی

۱۴ اگست بروز ہفتہ

بوقت ۳.۴۵ بجے بعد دوپہر

مسجد شہداء اور ریگل چوک سے دہلی چوک علامہ اقبال ٹاؤن

○

براستہ ہال روڈ' چوک میوہسپتال۔ گوالمنڈی۔ لوہاری گیٹ۔ بھاٹی گیٹ۔ لوئر مال۔ چوبرجی۔ موڑ سمن آباد۔ چوک یتیم خانہ۔ سیکم موڑ۔ دہلی چوک (علامہ اقبال ٹاؤن)

نوٹ: نماز عصر مسلم مسجد لوہاری گیٹ میں ادا کی جائے گی

○

مختصر خطابات عام: گوالمنڈی۔ بھاٹی گیٹ۔ موڑ سمن آباد۔ چوک یتیم خانہ۔ مون مارکیٹ

○

میجر جنرل (ریٹائرڈ) ایم ایچ انصاری ناظم اعلیٰ تحریک خلافت پاکستان اور دیگر زعماء تحریک کی قیادت کریں گے

○

الداعیان: ناظم تنظیم اسلامی حلقہ لاہور و ناظم تحریک خلافت پاکستان حلقہ لاہور ڈویژن

تاخلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

جلد ۲ شمارہ ۳۲

۱۶ اگست ۱۹۹۳ء

14

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
مرکزی دفتر: ۶۷۔ اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور

مقامِ اشاعت
۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۸۵۶۰۰۳

پبلشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ لاہور

قیمت فی پرچہ: -/۵ روپے
سالانہ زرِ تعاون (اندرون پاکستان) -/۱۰۰ روپے

زرِ تعاون برائے بیرون پاکستان

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت	۱۰ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش	۸ 〃 〃
افریقہ، ایشیا، یورپ	۱۲ 〃 〃
شمالی امریکہ، آسٹریلیا	۱۷ 〃 〃

اندر اور باہر کے شیطان

ہمارے کئی باخبر بہی خواہ اور بہت سے دانشوروں کی طرف سے بار بار یاد دلایا جاتا ہے کہ ہم بحیثیت قوم اور پھر بطور ایک امت کے اغیار کی ریشہ دوانیوں کے جال میں جکڑے جاچکے ہیں اور یہ کہ ہمارا قافیہ روز بروز تنگ سے تنگ تر ہورہا ہے۔ ان کا انتباہ ہے کہ غیروں کے اس دشمن ٹولے کی سربراہی صیہونیوں کے پاس ہے جنہوں نے تقریباً ایک صدی پہلے پوری دنیا کا ایک نقشہ اور کرۂ ارضی پر بسنے والے تمام انسانوں کے مستقبل کا ایک خاکہ مرتب کیا تھا۔ پھر انہوں نے اس نقشے پر عمل در آمد اور اس خاکے کی بالفعل تشکیل کا ایک پروگرام بنایا جس کی تکمیل کو اپنے خطوط کے مطابق رکھنے کے لئے ان کی تدابیر صحیح معنوں میں جامع اور کارگر تھیں اور ان کی توقع کے عین مطابق کامیاب بھی ثابت ہورہی ہیں۔

اس میں کیا شبہ ہے کہ فرنگ جس کی سیادت اب امریکہ کر رہا ہے اور یورپ میں جس کے اتحادی "واسپ" یعنی برطانیہ اور فرانس میں آباد وائٹ اینگلو پروٹسٹنٹس ہیں' دنیا سے مذہبی اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کا قلع قمع کردینا چاہتا ہے اور سب سے زیادہ کد اسے اسلام اور مسلمانوں سے ہے۔ سوشلزم کا تو کریاکرم ہوچکا' سرمایہ دارانہ نظام پر بھی بڑھاپے کے آثار طاری ہو رہے ہیں' جو خلاء پیدا ہورہا ہے اسے پر کرنے کی صلاحیت اگر کسی میں ہوسکتی ہے تو وہ اسلام اور صرف اسلام ہے جس کا احیاء فرنگ کو منظور نہیں۔ اس نے اپنے معاشرے کو جس اخلاق باختگی کا عادی بنادیا ہے اسے سب سے زیادہ خطرہ آسمانی ہدایت سے محسوس ہوتا ہے جو آج بھی محفوظ شکل میں مسلمانوں کے پاس امانت ہے۔ فرنگ نے اعلیٰ سے اعلیٰ انسانی قدروں کو بھی روپے پیسوں کے ہندسوں میں تبدیل کر دیا ہے اور اس کی خواہش ہے کہ درہم و دینار کی یہ خدائی ہمیشہ برقرار رہے۔

اور قیامت یہ کہ خود فرنگ کی رگ جاں پنجہ یہود میں ہے جو ایک خوردبینی اقلیت ہونے کے باوجود فرنگ کے اعصاب پر سوار ہونے کی وجہ سے پوری دنیا کو اپنی انگلیوں پر نچارہے ہیں۔ نص قرآنی کے مطابق یہودی "مغضوب علیھم" قوم ہیں اور اپنے ملی جرائم کی پاداش میں عذاب استیصال کی وہ سزا بھگت کر رہیں گے جو اللہ کی سنت کے مطابق ان پر واجب تو ہوچکی ہے لیکن اللہ نے ہی اپنی ایک خاص مصلحت کے تحت اس کی تنفیذ کو موخر کر دیا اور صیہونیت یہودیت کی بھی بدترین اور سب سے زیادہ جارحیت پسند شکل ہے۔ اس صورت میں صیہونیت نے اسلام اور مسلمانوں کو اپنی سازشوں کا ہدف بنا رکھا ہو تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے۔ گویا ہمارے بہی خواہ اور مہربان دانشور ہمیں صیہونیت کے عزائم سے خبردار جو کرتے رہتے ہیں تو یہ ہمارے حق میں ان کی ایک نیکی ہے۔

لیکن سوچنے کی بات یہ بھی ہے کہ عالم اسلام کے ساتھ جو ہوتا آیا ہے اور جو کچھ اب اس پر بیت رہا ہے اس میں کیا مسلمانوں کی اپنی کسی کوتاہی' بے عملی اور خدا فراموشی کا بھی کچھ دخل ہے یا نہیں!۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ جو الزام ہم زمانے بھر پر دھرتے پھرتے ہیں' اس کے سب سے بڑھ کر سزاوار ہم خود ہیں۔ کسی بڑے استدلال اور فلسفیانہ موشگافی کا سہارا لئے بغیر ایک چھوٹی سی مثال سے وہ بات بخوبی سمجھی جاسکے گی جو ہم کہنا چاہ رہے ہیں۔ ہمارے معاشرے کی بنیادی اکائی خود انسان کی ذات ہے۔ ذرا خیال فرمایئے کہ ہم میں سے ہر شخص انفرادی طور پر کن چکروں میں پڑا ہوا ہے' اس کے اپنے دل کی دنیا میں کس کا سکہ چلتا ہے' اپنے آپ کو خواہشات کے کس جنجال میں اس نے اپنے آپ کو جکڑ رکھا ہے اور اس کی ذاتی ترجیحات کی ترتیب کیا ہے؟-

صیہونیوں کی شکل میں ہمارے چاروں طرف شیطانوں نے گھیرا ڈال رکھا ہے لیکن وہ ہمارے سینوں میں ڈیرا ڈالنے کی قدرت ہرگز نہیں رکھتے۔ ان کی سازشوں نے امت مسلمہ کو شدید آزمائش سے دوچار کر دیا ہے' درست لیکن سچ یہ ہے کہ یہ سازشیں ملت کی اپنی خطاؤں کے بغیر کبھی کامیاب نہیں ہوسکتیں' بالکل اسی طرح جیسے ہم انفرادی طور پر صیہونیوں کے بھٹکائے نہیں بلکہ اپنے نفس کے ہاتھوں فریب میں آئے پھرتے ہیں۔ ہمارا اصل دشمن وہ شیطان ہے جو بقول رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے جسموں میں خون کی طرح دوڑ رہا ہے۔ اسے مارنا بھی آسان نہیں' البتہ اسے مسلمان کیا جاسکتا ہے۔ گویا صیہونی سازشوں کے جال سے بچنا تو ضروری ہے لیکن ہمیں اصل خطرہ اس دشمن ایمان سے ہے جو دلوں میں چھپا بیٹھا ہے۔ ○○

یوم آزادی پر آپ کے نام ایک پیغام

اس بار ۱۴ اگست کو تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت پاکستان کے مشترکہ اہتمام کے تحت لاہور میں ایک ریلی کا پروگرام ہے جس کا اعلان اندرونی سرورق میں دیکھا جا چکا ہوگا۔ ریلی میں شامل بعض ساتھیوں کے سپرد یہ فرض ہوگا کہ ایک ہینڈ بل کی تقسیم کرتے ہوئے چلیں جو درج ذیل پیغام پر مشتمل ہے:

برادران اسلام!

السلام علیکم۔ آج ۱۴ر اگست ہے۔ وطن عزیز جو واقعتاً مملکت خداداد ہے سنتالیسویں (۴۷) سال میں قدم رکھ رہا ہے۔ اس وطن کو حاصل کرنے کے لئے ہم نے اللہ کے حضور گڑگڑا کر دعائیں کیں کہ اے اللہ تو ہمیں ایک خطہ زمین عطا فرما دے' ہم اس میں تیرا پسندیدہ دین نافذ کریں گے' ہم مسلمان جئیں گے مسلمان مریں گے۔ ہم نے دشمنوں کو صاف صاف بتا دیا کہ پاکستان کا مطلب لا الہ الا اللہ ہو گا۔ ہم نے ہزاروں جانوں کی بے دریغ قربانی دی' ان لاکھوں عورتوں کی عصمت لٹا دی کہ آسمان بھی جن کی کبھی جھلک نہ دیکھ سکا ہوگا' ہم نے کروڑوں مسلمانوں کی جان مال اور عزت یرغمال کے طور پر رکھوا کر آزاد پاکستان حاصل کر لیا۔ اس لئے کہ ہم سمجھتے تھے کہ ایک آزاد اور مسلمان پاکستان کے ہوتے ہوئے متعصب اور تنگ نظر ہندو مسلمانوں کا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔ لیکن آہ افسوس' صد افسوس کہ ہم نے ۱۴ر اگست کو آغاز سفر کی بجائے منزل قرار دے دیا۔ الاٹمنٹوں سے معاشی درندگی کا آغاز ہوا۔ رشوت' ملاوٹ' کاروباری ہیر پھیر' جعلسازی' مختصر یہ کہ کون سی وہ خرابی ہے جس میں ہم نے دنیا کی دوسری تمام قوموں کو پیچھے نہ چھوڑا ہو۔ اور ابھی ہوس کا دوزخ "ھل من مزید" کی نعرہ زنی کر رہا ہے۔ دنیوی آسائشوں اور مادی وسائل کے حصول کی خاطر احترام آدمیت ہی نہیں خونی رشتوں کا لحاظ بھی ختم ہو چکا ہے۔ سیاست دان جنہیں سیاسی شعبدہ باز کہنا زیادہ مناسب ہے' اس دوڑ میں وکٹری اسٹینڈ پر فخریہ کھڑے دور ہی سے صاف نظر آ رہے ہیں۔ ضمیر فروشی کبھی ماں بہن کی گالی سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا تھا آج اپنے معنی ہی کھو چکا ہے۔ یہ ہج کاری کا دور ہے' اسلام بھی پرائیویٹائزیشن کے عمل سے گزر رہا ہے۔ چنانچہ اکثر سیاستدان مفادات کی جنگ میں اسلام کو بطور ہتھیار استعمال کر رہے ہیں۔ اور اسے موجودہ بوسیدہ اور ظالمانہ و استحصالی نظام کا پشت پناہ بنا کر کھڑا کر دیا گیا ہے۔ ملکی معیشت جو آخری سانس لے رہی ہے سیاسی درندے اس کے لاشہ بن جانے سے پہلے پہلے اس کی گردن پر تیز دھار آلے سے حملہ آور ہیں' تاکہ ذبح کر کے مردار کھانے سے بچ سکیں۔ ہر دو اڑھائی سال بعد ایک دوسرے کو بیخ لیتا ہے اور وہ اربوں روپیہ جو عوام کے خون سے نچوڑا ہوتا ہے سیاسی قمار خانے میں داؤ پر لگا دیا جاتا ہے۔

۱۴ر اگست کو آتشبازی کا مظاہرہ کرنے اور بجلی کے قمقمے جلانے سے عارضی طور پر روشنی تو ہو سکتی ہے لیکن ظلمت کدۂ پاکستان میں حقیقی اجالا نہیں ہو سکتا۔ انسان انسانوں کے ہاتھوں پستا رہے گا' غریب ہسپتال کی دہلیزوں پر دم توڑتے رہیں گے اور ان کے منہ سے چھینے ہوئے لقموں کو جمع کر کے ہمارے رؤساء سوئٹزرلینڈ کے بنکوں کو رونق بخشتے رہیں گے۔ لیکن اے میرے وطن کے باسیو! اے دن رات اپنے دکھوں پر کڑھنے والو! "ایں ہمہ آوردۂ تست" کے مصداق یہ ہمارا اپنا ہی کیا دھرا ہے۔ یہ ہماری اپنی سیاہ کرتوتوں کا عکس ہے اور فرمان نبویؐ کے مطابق اعمالکم عمالکم کا مظہر ہے۔ تاہم انگریزی کے اس محاورے کے مطابق کہ

It is never too late to mend

اصلاح کی گنجائش بہرحال رہتی ہے۔ بقول شاعر۔

چمن کے مالی اگر بنا لیں موافق اپنا شعار اب بھی
چمن میں آسکتی ہے پلٹ کر چمن سے روٹھی بہار اب بھی

اے مسلمانان پاکستان! ہمارے مسائل کا حل نہ جمہوریت میں ہے نہ مارشل لاء میں' بلکہ صرف اور صرف نظام خلافت کے قیام میں ہے۔ یاد رہے کہ ہمارے عروج کا آغاز خلافت راشدہ سے ہوا اور خلافت ترکان عثمانیہ کے زوال تک امت مسلمہ ایک سپرپاور اور غالب قوت کی حیثیت سے دنیا کے بہت بڑے حصے پر حکومت کر رہی تھی۔ جونہی مسلمان اللہ کے بتائے ہوئے راستے سے ہٹے' دنیا میں ذلیل و خوار اور مغلوب تو ہوئے ہی' ستم بالائے ستم یہ کہ ادارہ خلافت کو بھی اپنے ہاتھوں برباد کر دیا اور مغرب سے درآمد شدہ نظام کو جوں کا توں اپنے ہاں رائج کر دیا' لہٰذا آج ذلت اور رسوائی ہمارا مقدر بن چکی ہے اور ظاہراً اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا کوئی راستہ بھائی نہیں دیتا۔ ان حالات میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارک جس کا مفہوم یہ ہے کہ قیامت سے پہلے پوری دنیا پر خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا قیام ایک یقینی امر ہے' ہمارے لئے روشنی کا مینار ہے۔ اے مسلمانان پاکستان! یاد رکھیں کہ اگر وطن عزیز میں حقیقی اسلام یعنی نظام خلافت قائم نہ ہو سکا تو خاکم بدہن یہ ملک باقی نہیں رہے گا' اور جس طرح یہ گزشتہ ۴۷ سالوں سے مسلسل عدم استحکام کا شکار ہے' اور جیسے ہم آدھا پاکستان اس سے پہلے گنوا چکے ہیں' بالآخر یہ مزید ٹکڑوں میں بٹ جائے گا۔ اللہ ہمیں اس انجام بد سے محفوظ رکھے!

نظام خلافت کے قیام کے لئے آپ براہ کرم نہ حکومت سے کوئی آس لگائیں' نہ سیاستدانوں سے کوئی توقع رکھیں اور نہ کسی معجزہ کے انتظار میں رہیں' بلکہ **اصل کام** یہ ہے کہ اس طرز تغافل کو ترک کریں اور نظام مصطفیٰؐ کے قیام کے لئے آپ بھی عملی طور اس جدوجہد میں شریک ہوں۔ اس کے لئے شرط اول یہ ہے ہم آزادی سے قبل کے اپنے اس عہد کو تازہ کریں' مسلمان جینے اور مسلمان مرنے کا تہیہ کر لیں اور نفاذ اسلام کا آغاز دوسروں کی بجائے اپنی ذات سے کریں' اپنے شب و روز کا جائزہ لیں اور خلاف اسلام چیزوں کو اپنی زندگی میں سے نکالنے کی بھرپور جدوجہد کریں' یعنی پہلے خود اپنی ذات میں اللہ کا خلیفہ بننے کی کوشش کریں۔ اور پھر اس نظام خلافت کے قیام کے لئے عملی جدوجہد کا آغاز کر دیں جس کی ایک جھلک چشم فلک نے خلافت راشدہ کی صورت میں دیکھی تھی۔ اسی سے ہمارے لئے دنیا اور دین دونوں کی بھلائیاں وابستہ ہیں۔ آیئے! نظام خلافت کے قیام کا عزم کریں اور اس کے لئے عملی جدوجہد کا آغاز کریں۔

الیکشن ۹۳ء

غلط انتخابی حکمت عملی نے نواز شریف کو کمزور کر دیا ہے

مسلم لیگ خود بھی لیگی نظریات کی ترجمان نہیں

عبدالکریم عابد

الیکشن ۹۳ء کوئی نیا بحران پیدا کریں گے؟

انتخابات سیاسی بحران کے حل کا ذریعہ ہیں لیکن ہمارے یہاں ہر انتخاب کے بعد ایک بحران نمودار ہوتا ہے۔ ۷۰ء کے انتخابات نے ملک کو دولخت کیا' ۷۷ء کے انتخابات نے ملک کو ایک عشرہ پر محیط آمریت دی۔ ۸۵ء کے الیکشن سے وجود میں آنے والی اسمبلی ضیاء الحق کے ہاتھوں انجام کو پہنچی۔ اس کے بعد کی اسمبلیوں کے قتل کا ثواب صدر اسحاق نے حاصل کیا۔ اب ۹۳ء کے نئے الیکشن سے پہلے ہی "ہنگ پارلیمنٹ" کی پیش گوئیاں ہو رہی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ملک میں کسی مستحکم حکومت کی امید نہیں ہے' مؤثر اکثریت کسی کے پاس نہیں ہوگی اور ہارس ٹریڈنگ کے ذریعے حکومتوں کے بننے بگڑنے کا منظر ہوگا۔

اس الیکشن میں سیاسی جماعتوں کا زور کسی نظریہ اور پروگرام پر نہیں ہے۔ نظریاتی سیاست کا باب بند ہو چکا ہے۔ اب یہ دیکھا جا رہا ہے کہ کہاں کون نیا امیدوار طاقتور ہے جو ووٹ حاصل کرنے کی طاقت رکھتا ہے اور وہ خواہ کیسا ہی ہو' اسے اپنی صفوں میں شامل کر لیا جائے۔ امیدوار میں جو اہلیت دیکھی جا رہی ہے وہ برادری کے ووٹ' تھانہ کچہری میں اثرات اور دولت لٹانے کی صلاحیت ہے۔ اس کے بعد زور سیٹوں کی ایڈجسٹمنٹ پر ہے اور دینی جماعتوں کا حال سب سے عجیب ہے کہ نواز شریف سے بھی نشستوں کی ایڈجسٹمنٹ ہو رہی ہے اور بے نظیر سے بھی۔ اس ایڈجسٹمنٹ میں اصول اور نظریہ کو دخل نہیں ہے بس یہ پیش نظر ہے کہ ہماری نشستیں زیادہ ہو جائیں۔ سیاسی مفاہمتوں کی نوعیت یہ ہے کہ صوبہ میں الگ الگ انداز کے لوگوں سے مفاہمت ہے بلکہ صوبہ کے اندر بھی یہی کیفیت ہے۔

پہلے خیال یہ تھا کہ نواز شریف ایک شخصیت بن کر سامنے آئے ہیں' وہ ایک نئی قوت کی حیثیت اختیار کریں گے لیکن ان کی مقبولیت کا گراف تیزی سے گرا ہے۔ اس کی بڑی وجہ ان کے موقع پرستانہ نوعیت کے اتحاد ہیں۔ پیر پگاڑا ان کے حلیف بن گئے ہیں' ایم کیو ایم الطاف حسین سے ناتا جوڑا جا رہا ہے' ممتاز بھٹو سے بھی تعلق استوار ہو رہا ہے' اے این پی ویسے ہی ساتھ ہے' این پی اور پختون خواہ نیپ سے لے کر انجمن سپاہ صحابہ تک ہر ایک سے معاملہ کر لیا گیا ہے۔ اس نوعیت کے اتحاد دیکھ کر پنجاب کے عوام کے ذہنوں میں نواز شریف قیادت کا کوئی اچھا تاثر نہیں ابھر رہا اور مخالفین اس کو اپنے ہر پروپگنڈہ کا ہدف بنا کر نواز شریف کو مزید کمزور کریں گے۔

درحقیقت میاں نواز شریف کو اپنے آپ پر اور اپنی مقبولیت پر اعتماد نہیں۔ اگر یہ اعتماد ہوتا تو وہ مسلم لیگ کو ایک ملک گیر جماعت کی حیثیت سے پیش کرتے اور ہر صوبہ میں مسلم لیگ کے نمائندے کھڑے کرتے۔ یہ نمائندے کامیاب ہوتے یا ناکام' لیکن اس سے لیگ کے تن مردہ میں نئی جان پڑ سکتی تھی' اس کا تنظیمی ڈھانچہ ہر صوبہ اور ہر شہر میں بن جاتا اور کامیاب اور ناکام امیدواروں کے گرد حلقے بن جاتے جو آئندہ بھی متحرک رہ سکتے تھے۔ اگر علاقائی جماعتوں یا فرقہ وارانہ جماعتوں سے معاملہ کرنا ضروری ہوتا تو الیکشن کے بعد بھی یہ معاملہ ہو سکتا تھا لیکن الیکشن سے پہلے ان سے معاملہ کر کے انھیں طاقت فراہم کی گئی ہے جس سے عصبیتوں کی علمبردار یہ جماعتیں اور بھی طاقت حاصل کریں گی۔ پھر الیکشن کے بعد ضروری نہیں کہ وہ نواز شریف ہی کی حمایت بھی کریں۔

ان جماعتوں سے اتحاد کے ذریعہ سابق وزیراعظم اپنے صوبہ میں کمزور ہوئے ہیں اور دوسرے صوبوں سے گویا اپنی مکمل دستبرداری کا اعلان کر دیا ہے۔ ان کی طرف سے یہ صوبے قومیتوں کے علمبرداروں کے حوالے کر دئے گئے ہیں جب کہ پیپلز پارٹی یہ کہہ سکتی ہے

کہ اس نے علاقائی عصبیت کی علمبردار کسی جماعت سے نہ اتحاد کیا نہ مفاہمت کی ہے۔ نواز شریف یقیناً قوم کی نئی امید تھے لیکن امید کی یہ شمع گل ہوتی نظر آ رہی ہے کیونکہ ان کے میڈیا ایڈوائزروں نے انہیں جو انتخابی حکمت عملی بنا کردی ہے وہ بالکل غلط ہے۔

اس نئی حکمت عملی کے مطابق نواز شریف کو سارا زور مخالف بھٹو' مخالف بے نظیر اور مخالف پیپلز پارٹی بیانات اور تقریروں پر صرف کرنا چاہئے اس لئے وہ پیپلز پارٹی کے خلاف سارا پچھلا پروپگنڈہ اگل رہے ہیں مگر جب یہ پروپگنڈہ موثر ثابت ہوا وہ زمانہ اور تھا' اب یہ چلے ہوئے کارتوس کار آمد نہیں رہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ کہ خود نواز شریف نے صدر اسحاق سے جنگ کے دوران بے نظیر سے دوستی کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا' انہیں محب وطن ہونے کا سرٹیفکیٹ دیا اور امور خارجہ کی کمیٹی کا چیرمین بھی بنایا اور اپنی جگہ فوج نے بھی پیپلز پارٹی اور بے نظیر کے خلاف پرانے سوتیلے رویہ کو ترک کر کے نیا دوستانہ رویہ اختیار کر لیا تھا۔

جنرل آصف نواز مرحوم نے فوج کے اس نئے رویہ کی بنیاد رکھی۔ فوج کی طرف سے ہی بے نظیر کو امریکہ بھیجا گیا تاکہ وہ وہاں پاکستان کا موقف اپنے ڈیموکریٹ دوستوں پر واضح کریں۔ ملک کے اندر بھی نیا خیال ترقی کرنے لگا تھا کہ پیپلزپارٹی اور مخالف پیپلزپارٹی عناصر کی منفی محاذ آرائی اچھی بات نہیں ہے' اسے اب ختم ہونا چاہئے۔ ایک دوسرے کے بارے میں اچھی زبان اور اچھا رویہ اختیار کرنا چاہئے۔ اس پس منظر میں پیپلزپارٹی کے خلاف پرانے الزامات کا ڈھول پیٹنے کا نواز شریف کو کچھ زیادہ فائدہ نہیں ہو گا۔

یہ بات اب سب کو معلوم ہو گئی ہے کہ ملک بھٹو نے نہیں توڑا' فوج کے جنرلوں نے توڑا تھا۔ بھٹو تو صرف ان جنرلوں کے آلہ کار تھے' اصل ملک توڑنے والے فوجی جرنیل تھے۔ انہی کی پالیسوں نے اور انہی کی خواہش اقتدار نے ملک کو پارہ پارہ کیا۔ پھر جو کچھ بھٹو نے کیا' اس کا بے نظیر سے کیا تعلق..؟ اب پیپلزپارٹی کی ایک بالکل نئی نسل سامنے آ چکی ہے' اس کے نظریات بھی بدلے ہوئے ہیں' اپنے ماضی کی غلطیوں سے وہ خود بھی آگاہ ہیں لیکن یہ انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ بے نظیر نے جمہوریت کے لئے طویل جدوجہد کی ہے اور بڑے دکھ جھیلے ہیں۔ یہ تاثر بھی ان کے حامیوں میں عام ہے کہ انٹرنیشنل سطح پر یا بین الاقوامی فورم میں بے نظیر اپنے ملک کی اچھی وکیل ہو سکتی ہیں۔

بے نظیر کے پاس پولیٹیکل سائنس کا علم ہے' نظری سیاست کے مختلف مکاتیب فکر سے وہ آگاہ ہیں' امریکہ یورپ اور تیسری دنیا کے بڑے بڑے افراد سے ان کے ذاتی روابط ہیں اور ان کے مداح ہر ملک میں پائے جاتے ہیں۔ عوام میں وہ اتنی مقبول ہیں کہ جہاں بھی چلی جائیں' ہزارہا لوگ ان کے نام پر جمع ہو جاتے ہیں جبکہ نواز شریف ان سب خوبیوں سے محروم ہیں تاہم اس کے باوجود اگر بے نظیر کے معاملہ میں نواز شریف کی کوئی ادا لوگوں کو بھائی تو وہ یہ تھی کہ انہوں نے اسٹابلشمنٹ سے ٹکرلی جس کی نمائندگی صدر اسحاق کر رہے تھے۔ انہوں نے پارلیمنٹ کے اقتدار اعلیٰ کا نعرہ بلند کیا' صدر کے خصوصی اختیارات کو چیلنج کیا اور لوگوں کو یہ تاثر دیا کہ وہ پرانے بیوروکریسی کی بادشاہت کا دور ختم کر کے نئے دور کا آغاز کریں گے جس میں مقامی سرمایہ دار اور ملٹی نیشنل کے تعاون سے پاکستان کی تعمیر نو ہو گی' مگر جب تک نواز شریف وزیراعظم تھے اور سرکاری ذرائع ابلاغ ان کے قبضے میں تھے' یہ تاثر مضبوط رہا۔ اس کے بعد جب وہ اقتدار سے الگ ہو گئے تو اب ان کی شخصیت کے گرد توقعات کا جو ہالہ قائم ہوا تھا' وہ آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ رہی ہے کہ انہوں نے عوام میں واپس آکر اسٹابلشمنٹ کو نہیں للکارا اور صرف بے نظیر یا پیپلزپارٹی کو پکڑ لیا جبکہ انہیں اچانک جو پسندیدگی حاصل ہوئی تھی وہ مخالف پیپلزپارٹی ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ مخالف اسحاق ہونے کی وجہ سے تھی۔ لوگ اسٹابلشمنٹ کے مخالف تھے اور وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ اس اسٹابلشمنٹ کے مقابلہ میں بے نظیر اور نواز شریف تعاون کریں اور چونکہ بے نظیر نے صدر اسحاق سے تعاون کیا اس لئے ان کے اپنے لوگ بھی ان سے ناراض ہوئے اور نواز شریف کو پیپلزپارٹی بلکہ خود اندرون سندھ پذیرائی ملنے لگی لیکن اپنا اینٹی اسٹابلشمنٹ چہرہ انہوں نے چھپا لیا ہے یا یہ چہرہ ان کا تھا ہی نہیں اور پیپلزپارٹی سے پرانی گھسی پٹی لڑائی سامنے آ گئی ہے جو عوام میں کوئی جوش و خروش نہیں پیدا کر سکتی خاص طور پر اس لئے بھی کہ اس وقت بے نظیر نہ فوج کی نظر میں سوتیلی ہیں نہ کوئی ان کا راستہ روکنے پر مصر ہے۔

صورت حال اس کے برعکس یہ ہے کہ اوپر کے حلقوں میں ایسے لوگ بھی بہت ہیں جو اب سے بے نظیر کا راستہ روکنا نہیں' انہیں راستہ دینا چاہتے ہیں اور نواز شریف کے سائز کو کٹ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ سمجھتے تو انہیں وزیراعظم کے عہدہ سے نکالنے کی ضرورت نہیں تھی تاہم اب بھی نواز شریف اپنی انتخابی حکمت عملی درست کر لیں اور کھل کر یہ بات کہیں کہ وہ اقتدار میں فوجی و سول بیوروکریسی کے پس پردہ کردار کے مخالف ہیں اور پارلیمنٹ کے سر پر لٹکتی تلوار ہٹانا چاہتے ہیں تو ان کی بات توجہ سے سنی جائے گی۔

نواز شریف سے لوگوں کو یہ امید تھی کہ وہ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم کو ملک گیر بنا کر مضبوط کرینگے مگر انہوں نے اپنے اپ کو پنجاب میں محدود کر لیا ہے اور وہ مسلم لیگی نظریہ کی ترجمانی اور اس نظریہ کو نئی قوت کی حیثیت سے پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ ممکن ہے انہیں پنجاب کے مخالف بے نظیر ووٹ مل جائیں لیکن دوسرے صوبوں میں انہوں نے اپنا بستر خود ہی گول کر لیا ہے اور پنجاب میں بھی وہ کسی نظریہ کا نمائندہ بننے اور عوام میں نئی روح پیدا کرنے کی بجائے سیٹوں کی ایڈجسٹمنٹ کے چکر میں ہیں جبکہ مسئلہ چند سیٹوں کا نہیں ہے' قوم میں نیا ولولہ پیدا کرنے اور نیا شعور دینے کا ہے۔ اس کی کچھ توقع نواز شریف سے ہو چلی تھی لیکن جس طرح ان کی انتخابی مہم کا آغاز ہوا ہے وہ مایوس کن ہے۔

دوسری طرف پیپلزپارٹی کو سندھ' سرحد' بلوچستان اور پنجاب ہر جگہ سے کامیاب ہو گی لیکن یہ کامیابی بھی کسی نظریہ یا لائحہ عمل کی کامیابی نہیں ہو گی اور اس کامیابی کی بنیاد پر بھی وہ کوئی طاقتور حکومت نہیں بنا سکے گی۔ بہت ممکن ہے کہ نواز شریف اور بے نظیر دونوں ہی کو اس قدر معمولی درجہ کی کامیابی حاصل ہو کہ انہیں نظرانداز کر کے ایک تیسری قوت کو ملک پر مسلط کر دیا جائے جو بالکل کٹھ پتلی ہو یا ان میں سے جس کی حکومت بنے وہ چند روز چلنے کے بعد نئے ہنگاموں کی وجہ سے ٹھپ ہو جائے۔ اس لحاظ سے یہ الیکشن ۹۳ء بھی قوم کو آخر کار ایک بحران کی طرف لے جائیں گے اور ممکن ہے کہ ۹۵ء میں پھر اچانک نئے الیکشن کی صورت حال پیدا ہو جائے۔ OO

کوپن برائے سالانہ ر ششماہی ر سہ ماہی خریداری

میں ہفت روزہ "ندائے خلافت" کا سالانہ ر ششماہی ر سہ ماہی خریدار بننا چاہتا ہوں ر چاہتی ہوں۔ براہ مہربانی درج ذیل پتہ پر پرچہ جاری کر دیجئے۔ زر تعاون کی رقم مبلغ ---------- روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال خدمت ہے۔

نام ....

پتہ ....

نوٹ: (رقم ہفت روزہ "ندائے خلافت" ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور کے پتہ پر ارسال کی جائے)

گیارہویں قسط

تاریخ سیاسیات پاکستان

حکومتی اور جماعتی عہدوں کو جمع کرنے پر اشکال پرانا ہے

جنرل گریسی نے حکم عدولی کی

مرزا ایوب بیگ

۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کو آئین ساز اسمبلی کا اجلاس کراچی میں ہوا اور ۱۴ اگست ۴۷ء کو قائداعظم محمد علی جناح پاکستان کے پہلے گورنر جنرل اور نوابزادہ لیاقت علی خاں پہلے وزیراعظم مقرر ہوئے۔ ظاہر ہے کہ قیام پاکستان کے وقت ہمارے پاس کوئی آئین موجود نہیں تھا چنانچہ آزادی ہند کے ایکٹ مجریہ ۱۹۴۷ء کے تحت گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ مجریہ ۱۹۳۵ء کو بعض ترامیم کے بعد نوزائیدہ مملکت کے لئے آئین کے طور پر اختیار کر لیا گیا۔ یہ فرسودہ ایکٹ نئی اور آزاد ریاست کی ضروریات پوری کرنے سے قاصر تھا لہٰذا قومی امنگوں پر مبنی نئے آئین کی تیاری کے لئے اور روز مرہ کی ضروریات کے لئے قانون سازی کرنے کے لئے بھی اسی اسمبلی سے کام چلانے کا فیصلہ کیا گیا۔ لہٰذا ایک ہی اسمبلی آئین ساز اور قانون ساز اسمبلی کے طور پر کام کرتی رہی۔

اگرچہ ترمیم شدہ قانون کی رو سے تو گورنر جنرل کے اختیارات محدود تھے مگر عوام کے محبوب رہنما اور معمار پاکستان کی حیثیت سے قائداعظم کو وسیع اختیارات حاصل ہو گئے چنانچہ قائداعظم بسا اوقات کابینہ کی صدارت کرتے اور اہم ملکی وسائل خاص طور پر امور خارجہ کی خود نگرانی کرتے۔ کابینہ نے ایک قرار داد کے ذریعے انہیں ازخود ویٹو کا خصوصی اختیار دے رکھا تھا۔ پاکستان کی پہلی کابینہ لیاقت علی خان (وزیراعظم) ملک غلام محمد (وزیر خزانہ) خواجہ شہاب الدین (وزیر داخلہ) راجہ غضنفر علی (وزیر صحت) چودھری ظفراللہ (وزیر خارجہ) چودھری نذیر احمد (وزیر صنعت) سردار عبدالرب نشتر (وزیر مواصلات) فضل الرحمٰن (وزیر تعلیم و تجارت) پیرزادہ عبدالستار (وزیر خوراک) جوگندر ناتھ منڈل (وزیر قانون) پر مشتمل تھی۔

مہاجرین کے مسئلہ سے کسی قدر نمٹنے کے بعد مسلم لیگ کی حکومت کو جو سب سے بڑا مسئلہ پیش آیا وہ خود مسلم لیگ تھی۔ مختلف حلقوں سے مسلم لیگ کے بارے میں مختلف آراء آئیں جن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ قیام پاکستان کے ساتھ مسلم لیگ کا اصل کام مکمل ہو چکا ہے۔ مسلم لیگ جماعت نہیں بلکہ ایک تحریک تھی جو اپنا مقصد حاصل کر چکی ہے لہٰذا اسے بحیثیت جماعت اب ختم کر دینا چاہئے

اور لوگوں کو اجازت ہو کہ وہ اپنی مرضی سے نئی جماعتیں بنالیں۔ اس حلقہ فکر کے لوگ اپنی آواز کو زیادہ بلند نہ کر سکے اور بہت ہی کم لوگ ان کی اس دلیل سے متاثر ہوئے۔ البتہ مسلم لیگ کے دروازے غیر مسلموں پر کھولنے کے مسئلہ پر مسلم لیگوں میں شدید اختلاف ہوا۔ بعض سرکردہ مسلم لیگیوں کا جن میں حسین شہید سہروردی خاص طور پر قابل ذکر ہیں' نقطہ نظر یہ تھا کہ اگر پاکستان مسلم لیگ صرف اور محض مسلمانوں کی تنظیم رہے اور یہی جماعت پاکستان کے لئے پالیسی بھی مرتب کرے تو پھر فرقہ پرستی کے امکانات کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ اگر پاکستان میں مسلمانوں کی ہی معاشرتی اور تعلیمی ترقی کو مطمح نظر بنا لیا گیا تو غیر مسلم فرقوں کے مفادات کو نقصان پہنچنے کا احتمال رہے گا اور وہ مملکت کے ساتھ اعتماد کا رشتہ پیدا نہیں کر سکیں گے۔

اس گروپ کی طرف سے تو یہ تک کہہ دیا گیا کہ پاکستان مسلم لیگ کا نام پاکستان لیگ رکھ دیا جائے۔ یہ حلقے بڑی شدت سے اس بات پر مصر تھے کہ مسلم لیگ کو اب اپنا محدود کردار ترک کر دینا چاہئے اور پاکستان کی اقلیتوں پر اپنے دورازے کھول کر وسیع تر بنیادوں پر کام کرنا چاہئے' لیکن بہرحال جو حلقے یعنی دوسرا نقطہ نظر (یعنی مسلم لیگ مسلمانوں ہی کی جماعت ہونی چاہئے) رکھنے والے لوگ اکثریت میں تھے' وہ اس دلیل کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھے کہ اگر اقلیتوں کو مسلم لیگ میں شامل نہ ہونے دیا گیا تو رہنمائی حاصل کرنے کے لئے ان کی نگاہیں بھارت کی طرف اٹھتی رہیں گی۔ بلکہ مسلم لیگ میں شامل ہونے کے باوجود ان کے رویے میں تبدیلی نہیں آئے گی اور ان کے مسلم لیگ میں شامل ہونے سے مستقبل میں مشکلات پیدا ہوں گی۔

دوسری دلیل یہ تھی کہ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے۔ پھر یہ کہ پاکستان مسلمانوں کی جدوجہد کا ثمرہ ہے' اس کے ثمرات سے بہرہ ور ہونے کا حق بھی مسلمانوں ہی کو ہونا چاہئے۔ اس ضمن میں قائداعظم نے بھی بی بی سی کے نمائندہ رابرٹ سمسن کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ "ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ مسلم لیگ کے دروازے غیر مسلموں پر کھول دیئے جائیں کیونکہ ابھی اس کے لئے رائے عامہ تیار نہیں

تاہم ہمیں ایسے نعروں سے متاثر نہیں ہونا چاہئے جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہ ہو۔ غیر مسلموں پر پابندی کوئی حتمی اور آخری فیصلہ نہیں' ضرورت پڑنے پر اس اصول کو بدلا جا سکتا ہے۔

ایک اور نزاعی مسئلہ یہ تھا کہ آیا حکومتی عہدہ داروں کو پاکستان مسلم لیگ میں عہدے ملنے چاہئیں یا نہیں۔ حکومتی عہدہ داروں میں وزراء بمع وزیراعظم آئے تھے۔ لطف کی یا انتہائی بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ آج ۴۶ سال گزر جانے کے باوجود مسلم لیگیوں میں اس مسئلہ پر جوتیوں میں دال بٹتی رہتی ہے۔ قائداعظم کا اس وقت خیال یہ تھا کہ فی الحال حکومت اور مسلم لیگ کو اس معاملہ میں علیحدہ علیحدہ نہیں رہنا چاہئے کیونکہ اگر کسی وقت بھی مسلم لیگ کی صفیں اعلیٰ لیڈر شپ سے خالی ہو جائیں تو ہو سکتا ہے' کہ اسے قیادت کے لئے حکومتی عہدیداران میں سے کسی کی ضرورت محسوس ہو۔ علاوہ ازیں ان کا خیال تھا کہ

حکومت اور جماعت کی قیادت کی علیحدگی سے مسلم لیگ کے صدر اور وزیراعظم اسی طرح مسلم لیگ کے صوبائی صدور اور صوبوں کے وزرائے اعلیٰ کے درمیان مستقل آویزش اور رسہ کشی کی بنیاد رکھ دی جائے گی۔ چنانچہ ان کی اصل تجویز یہ تھی کہ اسے دستور کا حصہ نہ بنایا جائے' روایت کا درجہ دیا جائے۔

اس پر پیر مانکی شریف نے یہ تجویز پیش کی کہ حکومتی عہدے اور مسلم لیگی عہدے رکھے تو الگ الگ جائیں لیکن قائداعظم کو اس معاملے میں استثنا دے دیا جائے۔ قائداعظم نے اس تجویز کو سختی سے رد کر دیا۔ انہوں نے ظاہر تو نہ کیا لیکن بعد کے حالات بتاتے ہیں کہ انہوں نے اس تجویز کا سخت برا منایا تھا۔ بہرحال مسلم لیگ کونسل نے حکومتی اور جماعتی قیادت کو یکجا کرنے کی تجویز کو مسترد کر دیا اور یہ بھی طے کر دیا کہ پارلیمانی بورڈ کے ممبران خود انتخابات میں حصہ نہیں لے سکتے۔ اس فیصلہ سے ان افواہوں کی تردید ہوتی ہے کہ قائداعظم آمرانہ ذہن رکھتے تھے اور مسلم لیگ کونسل کی حیثیت محض ایک ربڑ سٹمپ کی تھی۔ حکومتی اور مسلم لیگی قیادت کو الگ الگ کرنے میں یہ دلیل انتہائی متاثر کن تھی کہ اس طرح مسلم لیگ اپنی آزاد حیثیت برقرار رکھ کر عوام کی بہتر خدمت کر سکتی تھی کیونکہ اس طرح وہ حکومت پر تنقید بھی کر سکتی تھی۔ اس کی رہنمائی بھی کر سکتی تھی اور حکومت تک عوام کے احساسات بھی پہنچا سکتی تھی وگرنہ یکجا کرنے میں بلاشبہ یہ خطرہ تھا کہ جماعت محض حکومت کی ترجمان بن کر رہ جائے گی' عوام اور حکومت کے درمیان ایک خلا پیدا ہو جائے گا۔ یہ سب دلائل اپنی جگہ درست اور جمہوری انداز کی عکاسی کرتے تھے لیکن بعد کے حالات و واقعات نے قائداعظم کے استدلال اور پیش گوئی کو درست ثابت کیا۔ مسلم لیگ اور حکومت کی قیادت الگ الگ ہونے کی وجہ سے باہمی آویزش اور رسہ کشی نے حکومت' ملک اور جماعت کو شدید نقصان پہنچایا۔

اگر یہ کہا جائے کہ مسلم لیگ کے زوال کی اور بھی بہت سی وجوہات ہونگی لیکن ان میں سے اہم ترین یہ تھی کہ صدر مسلم لیگ وزیراعظم کے اور وزیراعظم پاکستان صدر مسلم لیگ پاکستان کے درپے ہوتا تھا تو یہ مبالغہ نہیں ہوگا۔ مسلم لیگ کے لئے پہلے چیف آرگنائزر منتخب کرنے کا وقت آیا تو مسلم لیگیوں نے شدید بدنظمی کا مظاہرہ کیا۔ قائداعظم اس صورت حال سے اس قدر بددل ہوئے کہ انہوں نے کہہ دیا کہ اگر آپ لوگ دو منٹ کے اندر اپنا چیف آرگنائزر منتخب نہیں کریں گے تو میں اجلاس چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ دو منٹ گزر گئے' مسلم لیگی کوئی فیصلہ نہ کر سکے اور قائداعظم اٹھ کر چلے گئے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اجلاس سے واک آوٹ کر گئے تو غلط نہ ہوگا۔

قائداعظم کی صحت دن بدن گر رہی تھی' وہ اب بہت سی اہم مجالس میں شریک نہ ہو سکتے تھے۔ ۱۱ ستمبر ۱۹۸۴ء کو اس فانی دنیا سے قائداعظم محمد علی جناح رحلت فرما گئے یعنی پاکستان کے قیام کے بعد وہ صرف ۳۹۴ دن زندہ رہے لیکن اس انتہائی مختصر عرصے میں انہوں نے جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ان کی فہرست ان کے دور حکومت کی طرح مختصر نہیں۔ انگریز اور ہندو دونوں طاقتیں آزاد پاکستان کے مطالبے پر ڈٹ جانے پر ان کی بدترین دشمن بن ہی چکی تھیں' جب قائداعظم نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی اس خواہش کو رد کر دیا کہ انہیں پاکستان اور بھارت کا مشترکہ گورنر جنرل بنا دیا جائے تو اس نے مسلمانوں سے ہر طرح کا انتقام لینے کی کوشش کی۔ اثاثوں کی تقسیم' بھارت میں مسلمان اقلیتوں کی حفاظت کے لئے فوج کا تعین اور باؤنڈری کمیشن کی کارگزاری' یہ سب مسلم دشمنی کا نتیجہ تھے لیکن قائداعظم نے حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ خالی خزانے کے ساتھ مہاجرین کی آبادکاری کا کام کسی معجزہ سے کم نہ تھا۔

اکتوبر ۴۷ء میں کشمیر کے بھارت کے ساتھ الحاق پر قائداعظم نے جنرل ڈگلس گریسی کو بھارت پر حملہ کرنے کا حکم دیا تھا لیکن اس نے حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ یہ قائداعظم کی شخصیت کا ہی معجزہ تھا کہ اس خلا کو پر کرنے کے لئے پاکستان کے مختلف حصوں سے نہتے عوام آگے بڑھے اور انہوں نے بھارتی ریگولر فوج کو ناکوں چنے چبوا دیئے۔ یکم جولائی ۴۸ء کو تین کڑوڑ روپے کے قلیل سرمائے سے سٹیٹ بنک آف پاکستان قائم ہو گیا جس کا خود قائداعظم نے اپنے ہاتھوں سے افتتاح کیا۔ ملک کے عدالتی نظام کو چلانے کے لئے سب سے بڑی عدالت یعنی فیڈرل کورٹ کی بنیاد رکھی گئی جو بعد ازاں سپریم کورٹ آف پاکستان کہلائی۔ پاکستان کو اقوام متحدہ کا رکن بنوایا' بہت سے ممالک سے سفارتی تعلقات قائم کرنے کے لئے قائداعظم نے اپنے خصوصی اور ذاتی تعلقات اور اثر و رسوخ کو استعمال کیا۔ ملک فیروز خان نون کو مشرق وسطیٰ کے اسلامی ممالک میں اپنا خصوصی ایلچی بنا کر بھیجا۔

اگست ۴۸ء میں عیدالفطر کے موقع پر مسلمان ممالک کو اتحاد کی تلقین کرتے ہوئے قائداعظم نے کہا "ہم سب (مسلمان) اپنی اپنی جگہ خطروں سے گھرے ہوئے ہیں۔ فلسطین میں' انڈونیشیا میں اور کشمیر میں انصاف کے مقابلے میں فوجی طاقت کے جو مظاہرے کئے جا رہے ہیں ان سے ہم سب کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں اور ہمیں جان لینا چاہیے کہ اگر ہم متحد ہوں تو دنیا میں ہماری آواز بہت موثر ہو سکتی ہے"۔

قائداعظم کی وفات پر مختلف لیڈروں اور مشاہیر عالم نے انہیں جس طرح خراج عقیدت پیش کیا اسے مختصرا دہرانے کے لئے بھی ایک پورا دفتر درکار ہوگا۔ راقم یہاں چند غیر مسلموں کا ادا کردہ خراج عقیدت پیش کرتا ہے۔

سروجنی نائیڈو نے کہا کہ قائداعظم کے بارے میں خواہ کوئی بھی رائے قائم کی جائے لیکن میں پورے وثوق سے کہہ سکتی ہوں کہ انہیں کسی قیمت پر خریدا نہیں جا سکتا تھا۔

وجے لکشمی پنڈت کا کہنا تھا کہ اگر مسلم لیگ میں (یکصد) ۱۰۰ گاندھی ہوتے اور کانگرس میں صرف ایک جناح ہوتا تو ملک کبھی تقسیم نہ ہوتا۔

لنڈن ٹائمز نے لکھا کہ قائداعظم نے اپنی ذات کو ایک بہترین نمونہ کے طور پر پیش کر کے اپنے اس دعوی کو ثابت کر دیا کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں۔ ان میں ذہنی لچک نہیں تھی جو انگریزوں کے نزدیک ہندوستانیوں کا خاصہ ہے۔ ان کے تمام خیالات ہیرے کی طرح قیمتی مگر سخت اور واضح ہوتے تھے۔ ان کے دلائل میں ہندو لیڈروں ایسی حیلہ سازی نہ تھی بلکہ وہ جس نکتہ نظر کو ہدف بناتے تھے اس پر براہ راست نشانہ باندھ کر وار کرتے تھے۔ وہ ایک ناقابل تسخیر حریف تھے۔

قسط اول

خون اسرائیل آجاتا ہے آخر جوش میں

ان باتوں پر تعجب کا اظہار کیوں ہوتا ہے

صدام نے خلیج کی جنگ کو "ام المحارب" ایسے ہی قرار نہیں دیا تھا

(نوائے وقت کے شکریئے کے ساتھ)

ڈاکٹر اسرار احمد

آج کی صحبت میں سب سے پہلے تو یہ وضاحت ضروری ہے کہ گزشتہ جمعہ کے کالم میں حضرت مہدی کے نام کے ساتھ ہر جگہ "علیہ السلام" کی مخفف علامت" درج ہوئی ہے۔ یہ ادارہ نوائے وقت کے کسی کارکن کے حسن عقیدت کی مظہر ہے' جو میرے مسودے میں موجود نہیں تھی۔ میرے نزدیک اگرچہ خالص لغوی اور لفظی اعتبار سے تو جب ہم مسلمان ایک دوسرے سے ملاقات کے موقع پر "السلام علیکم" کہتے ہیں تو یقیناً کسی زندہ یا فوت شدہ مسلمان کے لئے "علیہ السلام" کے الفاظ بھی استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر چونکہ قرآن حکیم میں اہل ایمان سے خطاب کر کے کہا گیا ہے: "هو الذی یصلی علیکم" (الاحزاب : ۴۳) یعنی اے اہل ایمان! "اللہ تم پر اپنی رحمتیں نازل فرماتا رہتا ہے"۔ تو اس پر قیاس کرتے ہوئے کسی بھی حاضر و موجود مسلمان سے "صلی اللہ علیک" اور فوت شدہ یا غیر موجود مسلمان کے لئے "صلی اللہ علیہ" کے دعائیہ الفاظ کہے جا سکتے ہیں۔ لیکن امت کے تعامل یا دستور اور روایت کے تحت "صلی اللہ علیہ وسلم" کے الفاظ صرف نبی اکرمؐ کے لئے۔ "علیہ السلام" بقیہ جملہ انبیاء اور رسولوں کے لئے۔ "رضی اللہ عنہ" صحابہ کے لئے۔ "رحمت اللہ علیہ" بقیہ جملہ بزرگان دین اور ائمہ علم و ہدایت کے لئے۔ اور "مرحوم" عام مسلمانوں کے لئے مخصوص ہو گئے ہیں۔ اور ان کے استعمال کے معاملے میں ع "گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی!" کے پیش نظر احتیاط لازمی ہے۔ اس معاملے میں اہل تشیع کا اپنا جداگانہ معمول ہے جو ان کے عقائد پر مبنی ہے۔ وہ چونکہ ائمہ اہل بیت کو "معصوم" قرار دیتے ہیں جس کے نتیجے میں ان کا رتبہ انبیاء کرام سے بہت قریب ہو جاتا ہے' لہٰذا وہ ان کے لئے "علیہ السلام" کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اور چونکہ ان کے نزدیک "مہدی موعود" سے مراد ان کے بارھویں امام یعنی حضرت حسن عسکریؒ کے صاحبزادے محمد المہدیؒ ہیں جن کی ولادت تیسری صدی ہجری میں ہوئی تھی اور جو ان کے قول کے مطابق اس وقت سے تاحال روپوش (غائب) ہیں اور قیامت کے قریب "ظاہر" ہوں گے لہٰذا وہ ان کے نام کے ساتھ "علیہ السلام" لکھتے ہیں۔ جبکہ اہل سنت کے نزدیک حضرت مہدی اگرچہ ہوں گے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد ہی میں سے' لیکن ان کی پیدائش قیامت کے قریب عام انسانوں کی طرح عبداللہ نامی شخص کے گھر میں ہو گی اور وہ سلسلہ "ملاحم" کے پر آشوب دور میں مسلمانان عرب کی رہنمائی اور سپہ سالاری کے فرائض سرانجام دیں گے۔

اور اب آیئے اصل مضمون کے طرف۔ اس دنیا کے خاتمے سے قبل عالمی غلبہ اسلام اور پورے کرہ ارضی پر خلافت علی منہاج النبوت کے قیام کو میں نصوص شرعیہ میں سے قرآن حکیم سے دلالت نص کی بنیاد پر' اور احادیث نبویہؐ سے صراحت نص کی اساس پر ثابت کر چکا ہوں' مزید برآں علامہ اقبال کے "وژن" کے علاوہ اس کی عقلی اور سائنسی دلیل بھی علامہ اقبال کے فلسفہ خودی کے سب سے بڑے شارح اور اقبال اکیڈمی کے اولین ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم کے نظریہ ارتقاء سے استشہاد کے حوالے سے بیان ہو چکی ہے۔ رہا ان عظیم واقعات و حوادث کا معاملہ جن کی خبریں اس سے متصلا قبل کے دور کے ضمن میں احادیث نبویہؐ میں وارد ہوئی ہیں تو ان میں سے بھی سوائے ایک یعنی نزول مسیحؑ کے اور کوئی بات نہ خلاف عقل و قیاس ہے نہ مخالف قوانین طبعی۔

چنانچہ جب اس بیسویں صدی عیسوی کے دوران اس سے قبل دو عظیم جنگیں ایسی واقع ہو چکی ہیں جن کا سلسلہ کئی کئی سال تک جاری رہا' اور جن سے بڑے بڑے ملک بھی تہس نہس ہوئے اور کروڑوں کی تعداد میں انسان بھی قتل یا معذور ہوئے' تو کونسی قابل تعجب اور خلاف عقل بات ہو گی اگر ایک تیسری عظیم جنگ بھی واقع ہو جس کا میدان مشرق وسطیٰ کے عرب ممالک بنیں' اور اس کا سلسلہ بھی کئی سالوں کو محیط اور کئی ادوار پر مشتمل ہو۔ اور س کے نتیجے میں جہاں عظیم تعداد میں عرب مسلمان بھی قتل ہوں' وہاں ان یہودیوں کا تو بالکل ہی قلع قمع ہو جائے جو دنیا کے کونے کونے سے وہاں آکر آباد ہو رہے ہیں۔

اسی طرح تاریخ انسانی میں بارہا ایسا ہوا ہے کہ جب کسی قوم یا ملک کے حالات انتہائی ابتر ہو جاتے ہیں تو۔

"خون اسرائیل" آ جاتا ہے آخر جوش میں
توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ" طلسم سامری!"

کے مصداق بظاہر مردہ اور از کار رفتہ قوم میں سے بھی دفعتاً کوئی عظیم شخصیت ایسی ابھر آتی ہے جو قوم کے تن مردہ میں نئی روح پھونک دیتی ہے اور ع "مرادے مولے کو شہباز سے!" کے مصداق نحیف و ناتواں اور کم ہمت اور بے حوصلہ لوگوں کو بھی عظیم قوتوں

سے مقابلے کے لئے کھڑا کر دیتی ہے۔ تو کون سے تعجب کی بات ہے اگر انتہائی ناگفتہ بہ حالات میں "خون اسمٰعیل" بھی جوش میں آجائے اور۔

"کتاب ملت بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ بر پیدا!"

کے مطابق اولاد فاطمہؓ کی شاخ پر کوئی گل سرسبد کھل اٹھے؟

تاہم آج سے ساڑھے بارہ سال قبل جب میں نے پندرھویں صدی ہجری کے متوقع حوادث و واقعات کے موضوع پر تقریر کی تھی تو خود مجھے ہرگز اندازہ نہیں تھا کہ ان کا سلسلہ اس قدر جلد شروع ہو جانے والا ہے۔ مزید برآں جس حدیث نبویؐ کی بنیاد پر میں نے یہ بات کہی تھی کہ قیامت کے قریب پیش آنے والی عظیم جنگوں کا پہلا دور اس طور سے شروع ہو گا کہ مسلمان اور عیسائی متحد ہو کر کسی تیسری قوت کے خلاف جنگ کریں گے جس میں انہیں فتح حاصل ہو گی، وہ سنن ابی داوٗدؒ کی کتاب الملاحم میں حضرت ذو مخبرؓ سے مروی ہے اور اس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں: "عنقریب تم رومیوں (یعنی عیسائیوں) سے بھرپور صلح کرو گے اور پھر وہ اور تم متحد ہو کر ایک ایسے دشمن کے خلاف جنگ کرو گے جو تمہارے عقب میں واقع ہو گا۔ پھر تمہاری مدد ہو گی چنانچہ تم غنیمت حاصل کرو گے اور خود سلامت رہو گے!" اور اس وقت گمان غالب یہ تھا کہ اس جنگ میں ایک جانب امریکہ کی سربراہی میں یورپ کی جملہ عیسائی حکومتیں اور اکثر مسلمان ملک خصوصاً عرب حکومتیں ہوں گی اور دوسری جانب روس اور اس کے طفیلی ممالک ہوں گے۔ اور اس وقت یہ خیال تک نہ ہو سکتا تھا کہ اس وقت سوویٹ یونین تو ع "یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالم پیری!" کا نقشہ پیش کر رہی ہو گی اور وہ تیسری طاقت عین جزیرہ نمائے عرب کے "عقب" میں واقع ہو گی یعنی صدام حسین کی سربراہی میں عراق کی بعثی حکومت! حالانکہ نہایت مستند احادیث میں یہ ذکر موجود ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ عراق میں سونے کا خزانہ یا پہاڑ برآمد ہو جائے گا جس کی وجہ سے وہاں نہایت خوں ریز اور خوفناک جنگ ہو گی، لیکن چونکہ ان احادیث کے متن میں کوئی لفظی تعلق قیامت سے قبل کے سلسلہ ملاحم کے ساتھ موجود نہیں ہے لہٰذا ان میں وارد خبر کو ایک جداگانہ اور مستقل بالذات معاملہ سمجھا گیا۔ لیکن اب جبکہ الفاظ قرآنی "اذا وقعت الواقعہ" کے مصداق وہ واقعہ ظہور پذیر ہو چکا ہے ان احادیث نبویہؐ کی عظمت بھی اظہر من الشمس ہو گئی ہے کہ: (۱) صحیح بخاریؒ اور صحیح مسلمؒ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ: "گمان ہے کہ فرات سے سونے کا ایک خزانہ برآمد ہو جائے گا!" اور (۲) صحیح مسلمؒ میں حضرت ابی ابن کعبؓ سے مروی ہے کہ آنحضورؐ نے ارشاد فرمایا: "گمان ہے کہ فرات سے سونے کا ایک پہاڑ برآمد ہو جائے گا۔ تو جب لوگ اس کے بارے میں سنیں گے تو اس پر ٹوٹ پڑیں گے۔ تو جو لوگ اس کے پاس ہوں گے وہ سوچیں گے کہ اگر ہم نے انہیں چھوڑ دیا تو وہ ساری دولت لے جائیں گے۔ پھر اس پر جنگ کریں گے یہاں تک کہ ننانوے فیصد لوگ ہلاک ہو جائیں گے!" (ان احادیث کو پڑھتے ہوئے یہ بات پیش نظر رہے کہ قدیم زمانے میں ملکوں اور علاقوں کو دریاؤں یا پہاڑوں یا بڑے شہروں کے نام سے موسوم کرنے کا رواج عام تھا!) تو ذرا غور فرمائیں کہ کیا یہ بات محض "اتفاقی" ہے اور عظمت حدیث کی دلیل نہیں کہ آج تیل کی دولت کو "سیال سونا" قرار دیا جا رہا ہے؟ پھر

اے مرے لخت جگر نور نظر جان پدر
پیدا ہونے کی تجھے کیسے اجازت دے دوں

اے مرے لخت جگر نور نظر جان پدر
تیرا دشمن ہوں مری جاں یہ تصور بھی نہ کر
ہو نہ اولاد پسند اس کو وہ ہے کون بشر
باغ عالم کا تو شیریں ہے یہی ایک ثمر
کیا کروں کم ہے بہت آمدنی میری مگر
پیدا ہونے کی تجھے کیسے اجازت دے دوں

قرض و امداد پہ جینے کا ہوں میں تو عادی
میرے منصوبے ترقی کے ہیں سب "امدادی"
اور ہے شرط "مددگار" کی یہ بنیادی
بڑھنے پائے نہ کسی طرح بھی اب آبادی
بات "داتا" کی کیا وہ ٹالے جو ہے دست نگر
پیدا ہونے کی تجھے کیسے اجازت دے دوں

صنعتی دور ہے یہ اس میں ہے دستور یہی
جو بھی ایکسپورٹ کرے، کر سکے امپورٹ وہی
میرے کنبے میں تو اک میں ہوں اور اک ماں ہے تری
کس کو "ایکسپورٹ" کریں ہم کہ ہو "امپورٹ" کوئی
"اسمگل" کر لوں تو ہے صنعت قومی کا ضرر
پیدا ہونے کی تجھے کیسے اجازت دے دوں

کیا یہ واقعہ نہیں کہ خلیج کی جنگ کا اصل باعث یہی تیل کی دولت ہے؟ مزید برآں کیا یہ امر قابل توجہ نہیں ہے کہ عراق کے صدر صدام حسین نے اس جنگ کو "ام المحارب" یعنی جنگوں کی ماں یا جنگوں کے سلسلے کا نقطہ آغاز قرار دیا؟ (واضح رہے کہ صدام حسین خواہ اپنی ذاتی حیثیت میں دینی اعتبار سے کتنی ہی ناپسندیدہ شخصیت' اور مسلمانوں اور اسلام کے حق میں اسم با مسمی یعنی "صد + دام" یعنی سوداموں یا جالوں کی حیثیت رکھتا ہو' بہرحال عرب ہونے کے ناتے قرآن سے بھی واقف ہے اور حدیث نبویؐ سے بھی۔ یہی وجہ ہے کہ دسمبر ۹۰ء میں میں نے اس کا جو طویل انٹرویو لاس اینجلس میں سی این این پر دیکھا تھا' جو ایک نہایت ماہر و شاطر شخص جان رادر نے لیا تھا' اس کے موقع پر میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا تھا کہ اس کی پشت پر جو طغریٰ آویزاں تھا وہ سورۂ انبیاء کی آیت ۱۸ کے ایک حصے کا تھا جس کا ترجمہ یہ ہے: "ہم حق کا کوڑا باطل کے سر پر دے مارتے ہیں' جو اس کے دماغ کا بھرکس نکال دیتا ہے اور اس طرح باطل نیست و نابود ہو جاتا ہے")۔ رہی یہ بات کہ ننانوے فیصد کی ہلاکت کی بات صحیح ثابت نہیں ہوئی تو اولاً اس کا بھی امکان ہے کہ وہ الفاظ کسی خاص محاذ سے متعلق ہوں مثلاً' جیسے کہ سب کو معلوم ہے' کویت سے پسپا ہونے والی عراقی فوج کا جو حشر ہوا' اس پر تو یہ الفاظ پوری طرح منطبق ہوتے ہیں۔ اور ثانیاً ابھی عراق کا معاملہ ختم کہاں ہوا ہے؟ ابھی تو صدام حسین امریکہ اور اس کے حواریوں کے حلق میں پھنسی ہوئی ہڈی بنا ہوا ہے کہ نہ اگلی جائے نہ نگلی جائے! (اس لئے کہ اس کے خاتمے کا مطلب اس پورے علاقے کو ایران کے حلقہ اثر میں دے دینا ہو گا!) تو کون سے تعجب کی بات ہو گی اگر کسی آئندہ راؤنڈ میں امریکہ اور اس کے اتحادی دو سال قبل کی وحشیانہ بمباری سے بھی سو گنا زیادہ پیمانے پر بمباری کریں اور کسی خاص شہر یا علاقے میں تباہی اسی درجہ کی ہو جائے جس کا نقشہ حدیث نبویؐ میں سامنے آتا ہے؟ اس لئے کہ خلیج کی جنگ سے یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ امریکہ اور اس کے حواری ہر ممکن کوشش کریں گے کہ ان کے کسی ایک سپاہی کو بھی کوئی گزند نہ پہنچے خواہ دشمن کا بچہ بچہ ہلاک ہو جائے۔

اس موقع پر اس امر کا ذکر بھی دلچسپی کا موجب ہو گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری حضرت یوحنا کے مکاشفات میں بھی جو بائبل کے عہد نامہ جدید کی آخری کتاب میں درج ہیں عراق کی ایسی ہی شدید تباہی کا ذکر بتکرار و اعادہ موجود ہے۔ ان مکاشفات میں عراق کو "بڑے شہر بابل" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اور سب سے حیران کن امر یہ ہے کہ اس "شہر" کے تین ٹکڑے ہو جانے کی نہایت واضح الفاظ میں خبر دی گئی ہے ---- (دیکھئے کتاب "مکاشفات" کے باب ۱۶ کی آیات ۱۸-۱۹) اور آج یہ حقیقت نگاہوں کے سامنے موجود ہے کہ عراق بالفعل تین حصوں میں تقسیم ہو چکا ہے' چنانچہ شمال میں کردستان تقریباً خود مختار ہو چکا ہے اور جنوبی علاقے کو "نوفلائی زون" قرار دے کر عملاً عراق کی حکومت کے کنٹرول سے آزاد کر دیا گیا ہے اور صرف بقیہ درمیانی علاقے پر حکومت بغداد کی واقعی عملداری باقی رہ گئی ہے۔

ہمارے قادر الکلام' صاحب طرز شاعر دوست "مسٹر" دہلوی کو سفر آخرت پر روانہ ہوئے دن ہوئے' پھر مہینے ہوئے اور اب سال گزرنے پر آ گئے ہیں۔ وقت گزرتے پتا چلتا ہے!۔ انھوں نے کئی برس پہلے خاندانی منصوبہ بندی کے شور و غوغے سے تنگ آ کر اپنے مخصوص انداز میں ایک نظم کہی تھی جو وقت کے خاصے فصل کے باوجود آج بھی پہلے دن کی طرح تر و تازہ ہے۔ پڑھئے اور لطف اٹھایئے یا اس سوچ کا ماتم کیجئے جس نے مسٹر دہلوی سے ____ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا---- یہ اشعار کہلوائے تھے۔ (مدیر)

خوب و ناخوب کا معیار یہاں اول جلول
حق ہو منقول جو دشمن سے تو بالکل ہے فضول
باطل از دوست گر آید بہ سر و چشم قبول
سب کا ہے قول نظیری کے مطابق یہ اصول
سونے کو ریت کہیں اور کہیں کنکر کو گہر
پیدا ہونے کی تجھے کیسے اجازت دے دوں

ضبط تولید ہے مذہب میں روا کہتا ہوں کب
میں تو عامل ہوں میاں اس پہ حکومت کے سبب
اور حکومت پہ ہے تنقید بہت سوء ادب
بے ادب قوم سے ہے طرز عمل اس کا کڈھب
مجھ کو اللہ سے بھی بڑھ کے ہے حکام کا ڈر
پیدا ہونے کی تجھے کیسے اجازت دے دوں

اہل دل کی ہے یہاں پوچھ نہ عاقل کی ہے مانگ
قدر عالم کی نہ قابل کی نہ کامل کی ہے مانگ
ہے اگر مانگ تو سرمایہ فاضل کی ہے مانگ
ہو اگر جیب میں جاہل کی تو جاہل کی ہے مانگ
ہے ٹکے سیر یہاں ہوش و خرد' علم و ہنر
پیدا ہونے کی تجھے کیسے اجازت دے دوں

وہ نظام حکومت جو تصور انسانیت میں ایک حسین خواب کی طرح بسا ہوا ہے

خلافت راشدہ میں "بیوروکریسی" کے احتساب کا نظام

جسے دور فاروقی میں ایک باضابطہ اور مسلسل عمل کی صورت میں ڈھالا گیا

فضل الرحمٰن

عامل جس مقام پر مقرر کیا جاتا تھا وہاں پہنچتے ہی اس کی ذمہ داری یہ ہوتی کہ عوام الناس کو جمع کر کے اس فرمان کی جملہ تفصیلات کو با آواز بلند پڑھ کر لوگوں کو سنائے تاکہ لوگ اس کے اختیارات' فرائض اور حقوق کی حدود سے پوری طرح آگاہ ہو جائیں اور اگر وہ عامل ان اختیارات یا حقوق سے تجاوز کرنا چاہے تو لوگ اس پر گرفت کر سکیں۔ لوگوں کی اس آگہی کی حضرت عمرؓ کی نظر میں نہایت زیادہ اہمیت تھی چنانچہ بارہا مختلف مواقع پر اس کی تاکید میں خطبات ارشاد فرمائے۔ ایک خطبہ جو مجمع عام میں دیا گیا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں:

> یاد رکھو کہ میں نے تم لوگوں کو امیر اور سخت گیر مقرر کر کے نہیں بھیجا ہے بلکہ امام بنا کر بھیجا ہے کہ لوگ تمہاری تقلید کریں۔ تم لوگ مسلمانوں کے حقوق ادا کرو' ان کو زد و کوب نہ کرو' کہ وہ ذلیل ہوں' ان کی بیجا تعریف نہ کرو کہ غلطی میں پڑیں' ان کے لئے اپنے دروازے بند نہ رکھو کہ زبردست کمزوروں کو کھا جائیں' ان سے کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہ دو کہ یہ ان پر ظلم کرنا ہے۔

جب کوئی شخص کسی جگہ پر عامل مقرر کیا جاتا تھا تو اس کو فرمان تقرری سب کے سامنے دیا جاتا تھا اور اس پر بہت سے صحابہؓ گواہ بنتے تھے۔ اس طریقہ کار سے مقصود یہ تھا کہ جو شخص مقرر کیا جا رہا ہے اس کی لیاقت اور فرائض کی تفصیل اور صحابہ کے احتساب کے حق سے آگہی عام ہو جائے۔

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ جو شخص اپنی ذات کو احتساب کے لئے پیش نہ کر سکے اور خود کو اس سے بالاتر سمجھے' وہ نہ تو کسی دوسرے کا محاسبہ کرنے کا اہل ہوتا ہے اور نہ ہی اس کا حق رکھتا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ اپنی ذات اور اپنے اہل خانہ کے لئے جو کچھ بیت المال سے لیتے اس کا مسلسل اور باریک بینی سے محاسبہ کرتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ "امت کی یہ دولت (یعنی بیت المال) اسی طرح میری نگرانی میں رہے گی جیسے یتیموں کا مال' جس کا ناجائز طور پر کھانا مطلقاً حرام ہے ...... سورۂ نساء کے چند الفاظ ایسے موقع پر دوہرایا کرتے جن کا مفہوم یوں ہے کہ:

> جو شخص آسودہ حال ہو اس کو ایسے مال سے قطعی طور پر پرہیز رکھنا چاہئے اور جو بے استطاعت ہو وہ مناسب طور پر یعنی بقدر خدمت کچھ لے لے۔
> (ترجمانی سورہ نساء آیہ ٦)

ایک دوسرے موقع پر آپ نے خود کو ایک ایسے شخص سے تشبیہ دی جو کچھ لوگوں کے ساتھ سفر پر نکلا ہو اور اس کے پاس ان تمام لوگوں کا مال و اسباب امانتاً رکھوا دیا گیا ہو۔ اب اس شخص کو قطعی حق نہیں پہنچتا کہ اپنے ساتھیوں کی مرضی کے بغیر اس امانت کے مال میں تصرف کرے۔ یہی وجہ تھی کہ عمال کے مواخذے اور احتساب کا نظام جو آپ نے قائم فرمایا تھا' اس کی کوئی دوسری مثال تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ احتساب کے اس نظام کی ابتداء اس عہد و پیان سے ہی ہو جاتی تھی جو تقرری کے وقت عامل سے لیا جاتا اور اس کی بنیادی شرط پر تعیش زندگی سے اجتناب کرنا ہوتی تھی۔ عہد لیا جاتا تھا کہ وہ (عامل) ترکی گھوڑے پر سواری نہ کرے گا' باریک کپڑے نہیں پہنے گا' چھنا ہوا آٹا نہیں کھائے گا' دروازے پر دربان نہیں رکھے گا اور ملاقاتیوں اور فریادیوں کے لئے اس کا دروازہ ہر وقت کھلا رہے گا ----- یہ شرائط عموماً تقررنامہ پر ہی درج بھی ہوتی تھیں اور مجمع عام میں پڑھ کر سنائی جاتی تھیں۔

آپ کو حکام کے اخلاق و کردار کے بگاڑ کا بہت خوف رہتا تھا للذا اپنے 'عمال' پر نگاہ بڑی کڑی رکھتے تھے اور ان کی کارکردگی اور طریقہ کار کو نگاہ میں رکھنے اور ان کے مواخذہ و محاسبہ کے مواد کی فراہمی کے لئے مختلف افراد کو بھیجا کرتے تھے۔ آپ اکثر فرماتے رہتے تھے:۔

> میں جتنا اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں عام لوگوں کی شکایتیں اپنی جگہ رفع ہونے سے رہ جائیں اور یہ لوگ (یعنی حکام) ان کے تدارک کی طرف متوجہ نہ ہوں حتیٰ کہ عوام میں اتنی سکت ہی نہ رہ جائے کہ وہ اپنی شکایات کو آگے بڑھا سکیں' اتنا میں کسی اور بات سے نہیں

ڈرتا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی تدفین کے فوراً بعد آپ نے جو تاریخی تقریر کی تھی، اس پر غور کرنے سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ آپ کو اس آزمائش کا نہایت شدید احساس تھا جس میں انہیں ڈال دیا گیا تھا۔ اس تقریر کی ابتداء ہی ان الفاظ سے ہوتی تھی:

"اللہ نے چاہا ہے کہ تم پر حکمران بناکے میری آزمائش کرے اور مجھے تم پر حکمران بناکے تمہاری بھی آزمائش کرے"۔

تاریخ اس امر کی شہادت دیتی ہے کہ آپ کا پورا دور خلافت اسی آزمائش کے حوالے سے حاکم اور محکوم، ہر دو افراد کے لئے رہتی دنیا تک کے لئے مشعل راہ بن چکا ہے۔ اس ضمن میں بہت سے واقعات روایات میں ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر عمروؓ بن العاص کے خلاف مصر سے شکایات موصول ہوئیں تو محمدؓ بن ابی سلمہ کو ان کی تحقیق کے لئے روانہ فرمایا۔ یہ بزرگ اکابر صحابہؓ میں سے تھے اور نبی اکرم کے ساتھ تمام غزوات میں شامل ہونے کا شرف بھی رکھتے تھے۔ خود نبی اکرمؐ ایک مرتبہ مدینہ میں اپنی عدم موجودگی میں انہیں ذمہ دار بنا کر گئے تھے۔

انہی محمدؓ بن ابی سلمہ کو حضرت سعد بن ابی وقاص سے متعلق تحقیقات کے لئے مقرر فرمایا۔ یہ واقعہ ۲۱ ھ کا ہے جب نہاوند کا معرکہ سر پر تھا۔ ایرانیوں نے بھرپور قوت سے تیاری کی تھی اور یہ وقت مسلمانوں کے لئے گویا بہت نازک تھا مگر حضرت عمر نے فرمایا کہ یہ تردد بھی مجھ کو سعدؓ بن وقاص سے متعلق تحقیقات سے نہیں روک سکتا۔ اور یوں محمدؓ بن ابی سلمہ کوفہ روانہ ہوئے۔ کوفہ کی ایک مسجد میں عوام کی رائے سے آگہی حاصل کی اور پھر سعدؓ کو ہمراہ لے کر مدینہ واپس آئے۔ یہاں خود حضرت عمرؓ نے سعد سے مواخذہ کیا۔

احتساب کے ضمن میں خود حضرت عمرؓ کے لخت جگر عبدالرحمان کا واقعہ تو گویا حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے اور آپ کے بارے میں اس رائے کی مکمل تصدیق ہو جاتی ہے کہ آپ نفاذ شریعت کے معاملے میں کسی بدنامی، کسی قرابت داری کی پروا نہ کرتے تھے۔ یہی وہ قاعدہ ہے جس پر خلافت علیٰ منہج النبوہ کے اولوالامر کو کاربند رہنا ہو گا۔۔۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ یہ لڑکا مصر میں تھا۔ وہاں اس نے اپنے کسی دوست کے ساتھ بیٹھ کر شراب پی لی۔ بعد میں اپنی غلطی کا احساس ہوا تو دونوں دوست والی مصر عمروؓ بن العاص کے پاس پہنچے۔ انہوں نے یہ پسند نہ کیا کہ امیرالمومنین کے لڑکے پر برسرعام حد جاری کی جائے چنانچہ گورنر کے مکان کے صحن میں حد جاری کی گئی۔

یہ خبر حضرت عمرؓ تک جب پہنچی تو انہوں نے اس جانبدارانہ برتاؤ پر عمر بن العاص کی شدید فہمائش کی اور تنبیہہ کا مکتوب بھیجا۔ اس خط میں حکم دیا گیا تھا کہ مجرم (امیرالمومنین کے بیٹے) کو ایک ننگے اونٹ کی پشت پر سوار کرا کے مدینہ روانہ کیا جائے۔ (اس میں مشقت و اذیت اور بدنامی و تحقیر، دونوں پہلو سامنے آتے ہیں۔) اور اگرچہ عمر بن العاص نے صفائی پیش کی تھی کہ خصوصی برتاؤ نہیں کیا گیا کیونکہ تمام مجرموں کو یوں ہی والی کے مکان کے صحن میں ہی سزائیں دی جاتی ہیں... تاہم حضرت عمر نے ان کی صفائی کو قبول نہیں کیا اور لڑکے کے مدینہ پہنچتے ہی خود حد جاری کرنا شروع کر دی۔ یہ لڑکا طویل اور پر مشقت سفر کی وجہ سے پہلے ہی نڈھال تھا، اس نے باپ سے فریاد بھی کی مگر حضرت عمرؓ نے شریعت خداوندی کے نفاذ کے فرض پر شفقت پدری کو حاوی نہ ہونے دیا اور برسرعام تمام مسلمانوں کے سامنے اسی (۸۰) کوڑوں کی سزا جاری کر دی۔ حتیٰ کہ لڑکے نے یہ بھی کہہ دیا کہ ابا جان، آپ مجھے قتل کر رہے ہیں۔ اس پر بھی آپ نے ذاتی جذبات کو دبائے رکھا اور کوڑوں کے تسلسل میں کمی نہ آنے دی۔

روایت ہے کہ اس سزا کے نتیجے میں لڑکے کی موت واقع ہو گئی تھی۔ جب یہ لڑکا بالکل عالم نزع میں پہنچ چکا تھا اور اس پر جانکنی کی سی کیفیت طاری تھی۔ جبکہ ابھی اسی (۸۰) کوڑے بھی پورے نہ ہوئے تھے تو حضرت عمرؓ نے اس کو مخاطب کر کے صرف اتنا کہا کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہو تو کہنا کہ تمہارا باپ ان کی لائی ہوئی شریعت کے نفاذ کے لئے حدیں جاری کرتا ہے"۔

حدود کی سزائیں محض ارتکاب جرم کرنے والوں تک ہی محدود نہیں ہوتیں بلکہ قوانین شرعی کے مطابق اس کے کرتا دھرتاؤں کا جرم بھی اتنا ہی شدید متصور ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر شراب فروخت کرنے یا بنانے والے بھی ویسے ہی مجرم ہیں جیسے پینے والے۔ اس کی مثال بھی دور فاروقی میں موجود ہے جب رشید ثقفی نامی شخص کا اس علت میں مکان جلوا دیا گیا اور اسے شہر بدر کر دیا گیا۔ یہ شخص بعد میں روم پہنچ کر مرتد ہو گیا اور اس نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا۔

تحقیقاتی بورڈ صرف ایک آدمی پر مشتمل ہونا لازم نہ تھا، بعض اوقات ایک سے زیادہ افراد بھی اس کمیشن کے ممبر ہوتے تھے۔ اسی طرح احتساب کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ عامل کو مرکزی دارالحکومت یعنی مدینہ بلوا کر براہ راست مواخذہ کیا جاتا تھا۔ بصرہ کے گورنر ابو موسیٰ اشعری پر الزامات عائد ہوئے تو اسی طرح تحقیقات ہوئیں۔ جو الزام بھی درست ثابت ہوا، اس کا ازالہ کیا گیا۔ مثال کے طور پر ایک لونڈی کا معاملہ تھا جس کے ساتھ خصوصی امتیازی سلوک ثابت ہو گیا چنانچہ یہ لونڈی ان سے چھین لی گئی۔ (بحوالہ تاریخ طبری صفحہ ۲۷۱۰ تا ۲۷۱۲)۔

عمال کی لغزش ناقابل معافی سمجھی جاتی تھی۔ خاص طور پر وہ امور جن کا تعلق نمود و نمائش اور جاہ و حشم سے ہو، ان کا مواخذہ نہایت سختی سے ہوتا تھا۔ روایات میں مذکور ہے کہ کسی عامل کے بارے میں یہ علم ہو جائے کہ وہ بیمار کی عیادت نہیں کرتا اور غریب اور کمزور کی اس تک رسائی نہیں ہے تو وہ فوراً معزول کر دیا جاتا تھا۔ سعد بن وقاص کے کوفہ والے مکان کی ڈیوڑھی گرانے کا محمد بن سلمہ کو اسی لئے حکم دیا گیا تھا کہ والی تک کمزور کی عدم رسائی اور طبقاتی امتیاز کی ابتداء نہ ہونے پائے۔ روایات میں ہے کہ ان کی ڈیوڑھی کو آگ لگا دی گئی تھی۔

اسی طرح عیاض بن غنم والئی مصر کے بارے میں جب یہ اطلاع ملی کہ وہ باریک کپڑے پہنتے ہیں اور دروازے پر دربان رکھتے ہیں تو محمد بن سلمہ عیاض کو جہاں ہیں، جیسے ہیں کی حالت میں مدینہ لانے پر مامور کئے گئے۔ ان کے مدینہ لائے جانے پر حضرت عمرؓ نے اپنے ہاتھ سے انہیں موٹے کپڑے کا کرتہ پہنایا اور بکریوں کا گلہ دیتے ہوئے حکم دیا کہ جاؤ جنگل

میں انھیں چراؤ ---۔ (بحوالہ کتاب الخراج صفحہ ٦٦)

عمال کے لئے حج کے موقع پر مکہ حاضر ہونا لازم تھا۔ اس وقت حضرت عمرؓ اعلان کرتے تھے کہ اگر کسی کو کسی عامل سے کوئی شکایت ہو تو بیان کرے۔ تاریخ طبری صفحہ ۲٦٨٠ میں یہی بات ان الفاظ میں درج ہے کہ عمرؓ کی عادت اور معمول یہ تھا کہ ہر سال حج کے موقع پر اپنے سب عمال کو بلا بھیجتے۔ ان سے امور ملکی کے بارے میں اور رعایا سے حسن سلوک کے موضوع پر گفتگو کرتے اور ان کے علاقے سے آنے والوں کو ان کے خلاف شکایتیں پیش کرنے کی حوصلہ افزائی کرتے تاکہ قصۂ زمین برسرزمین سب کی موجودگی میں طے پا جائے۔

ایک دفعہ تمام عمال کی موجودگی میں ایک شخص نے ثابت کر دیا کہ ایک عامل نے اس کو بلا شرعی جواز کوڑے مارے ہیں تو عمرؓ فاروق نے مدعی کو حق دے دیا کہ وہ سب کے سامنے اسی عامل کو اتنے ہی کوڑے لگا سکتا ہے۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے اعتراض کیا کہ یہ امر عامل پر گراں ہو گا۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ میں تادیبی کاروائی میں انصاف کو مد نظر نہ رکھوں۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے اپنے خطبے میں فرمایا کہ جو عمال مقرر کر کے بھیجے جاتے ہیں اس لئے نہیں بھیجے جاتے کہ لوگوں کو تھپڑ ماریں یا ان کا مال چھین لیں بلکہ اس لئے بھیجے جاتے ہیں کہ لوگوں کو رسول اللہؐ کا طریقہ سکھائیں۔ سو اگر کسی عامل نے اس کے خلاف کیا ہو تو مجھے بتلاؤ تاکہ میں اس کا بدلہ دلواؤں۔ تب حضرت عمروؓ بن العاص نے جو مصر کے گورنر تھے' اٹھ کر کہا کہ اگر کوئی عامل ادب کے تقاضے کے تحت کسی کو مارے گا تو کیا تب بھی آپ اس کو سزا دیں گے..؟۔ آپ نے کہا کہ اس اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے' ضرور سزا دوں گا کیونکہ میں نے خود رسول اللہ کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ خبردار..! مسلمانوں کو نہ مارا کرو ورنہ وہ ذلیل ہو جائیں گے اور ان کے حقوق تلف نہ کرو ورنہ وہ کفران نعمت پر مجبور ہو جائیں گے۔

اگر غور کیا جائے تو یہ آخری دو فقرے قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لئے اجتماعی زندگی کے ان بنیادی خطوط کی حیثیت رکھتے ہیں جن پر خلافت کا پورا آئینی ڈھانچہ استوار ہوتا ہے۔

احتساب کے مختلف انداز ہوتے ہیں جن میں سے ایک صورت پیش بندی کی ہے۔ ہر اچھی حکومت کے لئے ایسا لائحہ عمل تیار کرنا ضروری ہے کہ جس کے ذریعے اس کے عمال کو لوٹ گھسوٹ کا بازار گرم کرنے سے قبل از وقت روکا جائے۔ دور فاروقی میں اس تصور کی بنیاد پر یہ اہتمام کیا گیا تھا کہ جب کسی شخص کو کہیں عامل مقرر کیا جاتا تو اس کی جائداد منقولہ و غیر منقولہ کی تفصیل مرتب کر لی جاتی۔ والی کی مدت تقرری کی تکمیل کے بعد اس کے پاس اگر اس فہرست سے زائد ایسا کچھ مال برامد ہو جاتا جس کے ماخذ کے بارے میں وہ بتا نہ سکے تو یہ مال بیت المال میں داخل کر لیا جاتا تھا۔

حضرت خالدؓ بن ولید کے معاملے میں حضرت عمرؓ فاروق کی سختی روایات میں معروف ہے۔ اسی طرح ایک پورے گروہ کے اموال ان کے اپنے عہدوں سے فراغت کے بعد چھین لئے گئے تھے۔ یہ امر بھی یاد رہنا چاہیے کہ اموال کے احتساب کا یہ حق خلیفہ وقت کو ہر وقت حاصل ہوتا ہے اور اس کا والی کے عہدے یا تقرری کی مدت کے پورا ہونے یا نہ ہونے سے کچھ بھی تعلق نہیں ہوتا یعنی یہ عمل اس کی تقرری کے دوران بھی کیا جا سکتا تھا اور سبکدوشی کے بعد بھی۔

عوامی شکایت پر کاروائی اور ظلم و زیادتی کا فوری ازالہ ایک فلاحی مملکت کی پہلی پہچان ہوتا ہے۔ جس حکومت کو خواہ کسی بھی وجہ سے' اس فوری کاروائی پر کماحقہ قدرت حاصل نہ ہو' اس کو اسلام کی نظر میں حکومت کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ غور کریں تو دکھائی دیتا ہے کہ خلافت راشدہ اور دور ملوکیت میں یہی فرق تھا کہ دور ملوکیت میں عام آدمی کی شنوائی ایوان ہائے بالا میں ختم ہو گئی تھی۔ جبکہ دور فاروقی گویا کہ اصلاح و فلاح کی تمام حدیں پھلانگ چکا تھا۔ روایات میں آیا ہے کہ خود خلیفہ وقت یعنی حضرت عمرؓ حج کے موقع پر عوام سے ان کے والیوں اور حکام کے بارے میں سوالات کرتے تھے۔ اسی طرح کسی سپاہی سے ملاقات ہوتی تو فوراً اس سے اس کے کمانڈروں یعنی سالاروں اور فوجی افسران کے بارے میں سوالات کرتے اور یوں گویا اسے خود موقع دیتے کہ معمولی سے معمولی بات بھی سامنے لے آئے۔ تاریخ کی تمام کتابوں میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ آپ کے علم میں کوئی شکایت آئی ہو اور کسی فوری مصروفیت کے باعث اس پر احتسابی کاروائی نہ کی جا سکی ہو۔

یہاں ہمارے لئے اسلامی فلاحی مملکت یا خلافت علیٰ منہج النبوہ کے خدوخال متعین کرنا کس قدر آسان ہو جاتا ہے۔ اگر یوں کہا جائے کہ دور فاروقی کی مثال ہمارے سامنے نہ ہوتی تو یہ اس قدر آسان کبھی نہ ہو سکتا تو شاید غلط نہ ہو گا۔ سچ تو یہ ہے کہ خلافت راشدہ کا فیصلہ عرش بریں پر شاید ہوا ہی اسی لئے تھا کہ اس وقت کے لئے جب دین کو کل عالم پر غلبہ حاصل کرنا ہے اور جس کا وقت اب اکابرین کے خیال میں قریب محسوس ہو رہا ہے' ایک عملی مثال کی صورت بن سکے اور یہ اللہ کی ہم سب کے لئے بہت بڑی عطا ہے۔

ایک وضاحت

ندائے خلافت کے پچھلے شمارے میں ایک عیسائی بھائی کی دل کو لگتی باتیں شائع ہوئیں تھیں جنہوں نے داعی تحریک ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تقریر سن کر اسے اپنے دل کی آواز جانا اور انتہائے سادگی میں تحریک خلافت پاکستان کی معاونت کا فارم بھر بیٹھے۔ انہیں تاحال تحریک کے مرکزی دفتر سے ممبر شپ کا کارڈ تو جاری نہیں ہوا تاہم یہ مسئلہ ضرور اٹھ کھڑا ہوا ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم پاکستان اس مملکت خداداد میں نظام خلافت کی عملداری چاہتا ہے اور اس میں جو حیثیت اور تحفظ غیر مسلموں کو دیا جائے گا اسے قبول کرتا ہے تو ایسے کسی بھی پاکستانی کو تحریک کا مدد و معاون بننے سے کیوں محروم رکھا جائے۔

سوچ یہ پروان چڑھ رہی ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے ایک علیحدہ کاڈر بنا دیا جائے' تاہم کوئی بھی فیصلہ تحریک کی مرکزی خلافت کمیٹی ہی اپنے کسی آئندہ اجلاس میں کرے گی۔ اس وقت تک یہی سمجھا جائے کہ سردار مسیح صاحب کی باتیں محض قارئین کی دلچسپی کے لئے شائع کی گئی تھیں۔

(ادارہ)

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا ہے

اسے کون ایک آزاد قوم کی داستاں کہے گا؟

نعیم اختر عدنان

اسلام تیرا دیس ہے تو مصطفوی ہے ...
حکیم الامت علامہ اقبال نے یہ الہامی الفاظ یقیناً کہے تو اہل پاکستان کے لئے تھے مگر ہم نے بحیثیت قوم اب تک اپنے طرز عمل سے اپنے آپ کو ان نادانوں کی فہرست سے بھی غالباً خارج کرا لیا ہے جو مصیبت آنے پر ہی سہی' اپنے وطن کی فکر تو کر لیتے ہیں۔ ہماری کم نصیبی اور بد بختی کا تو یہ عالم ہے کہ ہمارے ہاتھوں متاع کارواں بھی نکل گیا ہے اور اس پہ ستم یہ کہ احساس زیاں نام کی کوئی شے بھی ہمارے نہاں خانہ قلب میں موجود نہیں۔

کار سیاست حضرات انبیائے کرام کی سنت ہے۔ قوم کی راہنمائی مصلحین کی ذمہ داری ہے مگر آج ہماری سیاست پر فرعون' نمرود' ہامان' ابوجہل اور ابو لہب لیڈروں کے روپ میں قابض ہیں جنہوں نے قوم کو مختلف گروہ بندیوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ قرآن کی رو سے یہی فرعونی سیاست ہے جسے فنا کے گھاٹ اتارنے کے لئے اللہ نے حضرت موسیٰؑ جیسے جلیل القدر نبی کو ید بیضا اور عصا کی قوت دے کر مبعوث فرمایا تھا۔ مگر آج کے صنم کدہ میں کوئی خلیل ایسا نظر نہیں آتا جو ہماری سیاست کو ان عناصر سے پاک کر دے۔ یہ سب کے سب اپنی ناپاک سیاست اور گندی ذہنیت کے ساتھ ارض پاک کی نظریاتی اور جغرافیائی سرحدوں پر ٹڈی دل کی طرح چھا چکے ہیں اور چاہتے ہیں کہ وطن عزیز کی لہلہاتی فصلوں کو امریکی سنڈی کی طرح چٹ کر جائیں۔

ہمارے ان سیاست بازوں نے لیاقت علی خاں کے مقدر بگاڑنے اور اپنی قسمت سنوارنے کے لئے پستول کی گولی استعمال کی۔ غلام محمد اور سکندر مرزا دونوں اپنی خوشی سے آئے تھے لیکن اپنی خوشی سے جانا انہیں نصیب نہ ہوا۔ فرعونی سیاست کی فیلڈ کے مارشل ہوں یا رانی کے جنرل آغا خان ہوں یا اسلام کی ضیاء' سب کے سب اپنے آخری انجام کو چار و ناچار پہنچ چکے ہیں۔ عوام کا قائد اور ایشیا کا فخر کیسے تخت سے تختے تک پہنچا' کوئی ماضی بعید کا قصہ نہیں بلکہ اس ڈرامے کا حد درجہ مقبول و مشہور سین تھا جسے پوری قوم نے بلا جبرواکراہ وقت کے سیاست کاروں کے تعاون سے دیکھا۔ میری قوم کے بھولے فرزندو! مجھے یاد ہے سب ذرا ذرا۔ تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو۔

اسلامی مارشل لاء کی ضیائی چھتری تلے غیر جماعتی چناؤ کا سیاسی سٹیج شو بھی پوری قوم کو بڑے اہتمام سے دکھایا گیا۔ بعد ازاں روایتی محلاتی سازشی طریقہ کار سے کام لیتے ہوئے غیر جماعتی سٹیج شو کے ہیرو محمد خاں جونیجو کو بے آبرو کر کے کوچہ سیاست سے یوں نکال دیا گیا جیسے دودھ سے مکھی یا مکھن سے بال نکالا جاتا ہے۔ غیر جماعتی سرکس کو اگلے پچیس سال جاری رکھنے کے اعلان کنندہ اور پاک فوج کے زائد المیعاد نہایت بے بسی کے ساتھ اپنے رفقائے کار کی ہمراہی میں بہاولپور کی بستی لال کمال کی خاک میں ایسے خاکستر ہوئے کہ خدا کی پناہ۔

تخت شاہی سے تختہ دار تک پہنچنے والے کی بیٹی اور مشرق کی دختر بے نظیر' فرعونی سیاست کے "حصار نکاح" میں آکر اقتدار کے حجلہ عروسی میں مشرقی خاتون کے "روایتی اوصاف" کے ساتھ داخل ہوئی مگر جلد ہی سیاست کے اس "فرعون" کی ایک طلاق سے "مطلقہ" ہو گئی جسے یار لوگ آٹھویں ترمیم کہتے ہیں۔ حکمرانوں کی عنایت اور اتفاق کی برکت سے وطن عزیز میں پہلی دفعہ "شرافت کی سیاست" کا دور سعید آیا۔ قوم نے ملے جلے رد عمل کا اظہار کرتے ہوئے شریعت الٰہی کو انسان ساختہ آئین پر بالا دستی عطا کرنے اور قوم کو خود انحصاری و خود کفالت سے ہم کنار کرنے والوں کا خیر مقدم کیا مگر اسلام کے نام پر ووٹوں کی بھیک مانگنے والوں نے شریعت کو بالادست کرنے والی دستوری ترمیم کو یوں ہضم کر لیا جیسے کچھ لوگ سب کچھ چٹ کر کے "لکڑ ہضم پتھر ہضم" جیسے چورن کی طرح بغیر ڈکار لئے ہضم کر جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ ساتھ وفاقی شرعی عدالت نے بھی سود کی حرمت پر اپنی مہر تصدیق ثبت کردی مگر حکمرانوں نے سود کی حرمت کی شرعی حیثیت کو رد کرنے کی غرض سے حرمت سود کے فیصلے کو چیلنج کر دیا کہ اس کے بغیر امریکہ اور عالمی بینک سے خوشگوار تعلقات قائم نہیں ہو سکتے چاہے اللہ اور رسولؐ کے ساتھ جنگ ہی کیوں نہ کرنے کی ضرورت پڑے۔ سود کی زردی پہلے ہی قوم کے چہروں سے عیاں تھی اب وہ ٹیکسیوں اور بسوں پر بھی اپنا رنگ بکھیرنے لگی۔

دین و ملت سے غداری اور دین کے دشمنوں سے وفاداری کا رشتہ استوار کرنے والوں کے پیچھے سیاست کا فرعون' اپنی انا کا غلام اور مطلق العنان حکمران قوم کی اسمبلیوں پر یوں حملہ آور ہو گیا کہ "وقت پیری گرگ ظالم میشود پرہیز گار" جیسی معروف کہاوت لوگوں کا منہ چڑانے لگی۔ انصاف کے ایوان بالا نے برخواست شدہ اسمبلی کو معزول وزیر اعظم سمیت بحال کر دیا مگر سیاست کا یہ قدیمی فرعون اسے بے حال کرنے کی کوشش ہاتھ سے نہیں جانے دیتا چاہے وہ کتنی ہی بھونڈی کیوں نہ ہو' لیکن آخر کار خدمت وطن کی "خودساختہ" عزت سادات بھی لاٹھی والوں نے سربازار لوٹ لی۔ وزیر کے "اعظم" اور وفاق کے "ناظم" دونوں ایک دوسرے کو نیچا دکھاتے دکھاتے خود نیچے اترنے پر مجبور ہو گئے۔ ڈکٹیشن نہ لینے والا ایڈوائس دیکر اور خدمت ملک و ملت کا عزم رکھنے والا استعفیٰ دے کر شب دیجور میں قوم کو اپنی "خدمات" سے محروم کر گیا۔ نئے انتخابات کا اعلان ہوا اور نئی نگران حکومت "دائمی بیمار" لوگوں کے سپرد کر دی گئی جو میڈیکل چیک اپ میں سب کے سب ان فٹ قرار پائیں گے بہر حال فوجی جنتا کا انتخاب قوم کو مبارک ہو!

دین و ملت سے محبت رکھنے والے لوگوں کا فرض انہیں پکار رہا ہے کہ وہ وطن عزیز کی سیاست کو وقت کے فرعون سے نجات دلائیں۔ فرعونی سیاست کو شکست دینے کے لئے لازم ہے کہ سیرت انبیاء اور منہج انقلاب نبوی کی روشنی میں سربکف ہو کر نظام باطل اور اس کے کارندوں کو للکارا جائے۔ آج ارض پاک کو کسی ایسے مجاہد کی ضرورت ہے جو جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے فساد فی الارض کو ختم کر دے۔ اللہ تعالی پر ایمان اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وفا کا یہی تقاضا ہے' یہی مطالبہ ہے۔

آیئے انقلابی نظریئے کی اشاعت اور تنظیم و تربیت کے مراحل طے کرتے ہوئے نظام کہنہ کو اس کے پاسبانوں سمیت بحر ہند کی اتھاہ گہرائیوں میں پھینک دیں۔ اور دنیا کو خلافت اسلامی کا وہ نظام عطا کریں جس کی تلاش میں انسان در در کے دھکے کھا رہا ہے۔ آیئے نظام خلافت کی برکات اور ہجرت و جہاد کی داستان کو پھر سے قوم کے کانوں میں یوں ڈالیں کہ خلافت کے قیام کے لئے ایک زوردار تحریک برپا ہو جائے کیونکہ نظام خلافت کا قیام ہی وہ ضرب کلیمی ہے جو فرعونی سیاست کا سر توڑ سکتی ہے۔ آیئے قوم کو سرفروشی و جانبازی کی راہ پر پھر سے لا کر ایک داستان رقم کریں۔

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

وہ جو غریبوں کا غم کھاتے کھاتے بیمار پڑ گئے تھے

قوم کے منتخب نمائندوں کے غیر ملکی علاج پر کیا خرچ ہوا

عبرتناک اعداد و شمار ______ بشرطیکہ ہم عبرت پکڑنا چاہتے ہوں

مرسلہ : مرزا ندیم بیگ

اکتوبر ۱۹۹۲ء کے اوائل میں قومی اسمبلی میں ایک رکن اسمبلی کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ موجودہ حکومت کے کتنے وزراء اور عوامی نمائندے سرکاری خرچ پر بیرون ملکوں میں علاج کے لئے گئے' وزیر صحت سید تسنیم نواز گردیزی نے مندرجہ ذیل تفصیلات پیش کیں:

وفاقی وزراء

سید طارق محمود پر سرکاری خزانے کے چار کروڑ تیئس لاکھ روپے' جام یوسف کی بیگم صاحبہ پر چار کروڑ پینتیس لاکھ روپے' غلام دستگیر خان کی بیگم صاحبہ پر دو کروڑ تیس لاکھ روپے' راجہ شاہد سعید خان پر ایک کروڑ چوراسی لاکھ پچھتر ہزار آٹھ سو ستر روپے' ملک نعیم خان پر دو کروڑ پچھتر لاکھ گیارہ ہزار پانچ سو روپے' غلام دستگیر خان پر چونتیس لاکھ روپے' غلام احمد بلور پر آٹھ لاکھ بانوے ہزار پانچ سو بیالیس روپے اور چوہدری نثار علی خان پر اٹھاون ہزار سات سو اکتیس روپے خرچ ہوئے۔

ممبران اسمبلی

آغا عطا محمد خان پر عوام کے خون پسینے کی کمائی سے دو کروڑ ستانوے لاکھ اکسٹھ ہزار روپے' سید ظفر علی شاہ پر تین کروڑ پینتیس لاکھ پچاسی ہزار پانچ سو روپے' سید منظور حسین شاہ پر چار کروڑ اٹھارہ لاکھ روپے' سید منظور حسین شاہ پر دوبارہ چار کروڑ تینتیس لاکھ اٹھارہ ہزار روپے' ناصر اقبال چیلیانوالہ کی بیگم صاحبہ پر پانچ کروڑ چودہ لاکھ روپے' آفتاب شعبان میرانی کی بیگم صاحبہ پر تین کروڑ ستاسی لاکھ پچاس ہزار روپے' میر نبی بخش کھوسہ کی دختر نیک اختر پر چھ کروڑ پچھتر لاکھ روپے' اقبال چیمہ کی لخت جگر پر چار کروڑ چودہ لاکھ روپے' میاں محمد شفیع پر اڑتیس لاکھ پچھتر ہزار روپے' جام سیف اللہ خان دھریجو پر تین لاکھ بہتر ہزار روپے اور سردار یحیٰ جان پر چار لاکھ ایک ہزار روپے کی "سرمایہ کاری" ہوئی۔

سینیٹرز

ڈاکٹر نصیر الدین مرحوم قوم کی طرف سے تیرہ کروڑ چھیاسٹھ لاکھ باون ہزار چھ سو روپے کے "صدقے" کے باوجود شفاء یاب نہ ہو سکے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون' جبکہ اخونزادہ بہرادر سعید پر پانچ کروڑ چونتیس لاکھ روپے' صوبیدار خان مندوخیل پر چار کروڑ اناسی لاکھ پچیس ہزار روپے' زیبا بختیار کے غریب والد یحیٰ بختیار پر ایک کروڑ اٹھانوے لاکھ روپے' ڈاکٹر نور جہاں پانیزئی پر تین کروڑ پینتیس لاکھ روپے' محمد ابراہیم خان پر ایک کروڑ پندرہ لاکھ روپے' عبدالخالق خان پر دو کروڑ سولہ لاکھ چوالیس ہزار روپے اور عبدالخالق خان پر دوبارہ نو لاکھ اٹھائیس ہزار دو سو روپے کا صرفہ اٹھا۔

ان ۲۴ "خادمان ملک و ملت" اور انکے عزیزوں پر خرچ ہونے والی کل رقم تراسی کروڑ اڑسٹھ لاکھ پچپن ہزار نو سو ترپن روپے بنتی ہے لیکن پھر بھی یہ رقم انکے لئے اونٹ کے منہ میں زیرہ کے برابر ہے۔ ہماری قیادت و سیادت کے منصب پر فائز لوگوں کے قرضوں سے حاصل شدہ رقوم' بیرون ملک ضروری اور غیر ضروری دوروں کے اخراجات مع الاؤنسوں اور سہولتوں کی رقوم اور پلاٹوں کی شکل میں وصول کردہ اپنی قیمت کے اعداد و شمار کو اکھٹا کیا جائے تو آپ کو مہنگائی اور بیرون ملک سے بھاری قرضوں اور ڈوبتی معیشت کا اندازہ ہو جائے گا۔ OO

اسلامی انقلاب کے مراحل' مدارج اور لوازم پر مشتمل

امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت

ڈاکٹر اسرار احمد

کے دس خطبات کا مجموعہ

منہج انقلاب نبوی ﷺ

سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں اسلامی انقلاب کی جدوجہد کے رہنما خطوط

صفحات ۳۸۴ ● قیمت: اشاعت خاص (مجلد) -/۶۰ ، اشاعت عام -/۳۰

ملنے کا پتہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' ۳۶۔ کے' ماڈل ٹاؤن

کہاں میں، کہاں یہ مقام اللہ اللہ

محمد سمیع کراچی

یہ اس زمانے کی بات ہے جب میں ایک انشورنس کمپنی میں ملازمت کر رہا تھا۔ میرے علم میں بات لائی گئی کہ انشورنس کی ملازمت جائز نہیں کیونکہ بیمہ میں سود اور جوئے دونوں کا عنصر شامل ہے۔ بیس سال سے زیادہ کا عرصہ اس لائن میں گزار چکا تھا لہٰذا فوری طور پر اسے ترک کرنا بھی ممکن نہ تھا۔ ذہن میں ایک خیال یہ پیدا ہوا کہ ٹائپنگ تو آتی ہی ہے کہیں سے ایک ٹائپ رائٹر کا بندوبست کر کے کچہری کے سامنے کیوں نہ بیٹھ جاؤں۔

اسی دوران میری ملاقات اپنے ایک دوست سے ہوئی جس نے بولٹن مارکیٹ کے سامنے فٹ پاتھ پر عام اشیاء کی ایک چھوٹی سی دوکان لگا رکھی تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں رزق حلال میسر کیا ہوا ہے تو جواب میں اس نے بتایا کہ یہاں دوکان لگانے کے لئے اسے بلدیہ' پولیس' کے ڈی اے اور ٹریفک پولیس والوں کو بھتہ دینا پڑتا ہے۔ اس کے باوجود اسے یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ پتہ نہیں کس وقت کون سے محکمہ والا ناراض ہو جائے اور اسے دوکان سمیت تھانے میں بند کر دے۔ یہ سن کر میں نے ٹائپ والی تجویز ملتوی کر دی۔

اس واقعے کو تقریباً نو سال بیت چکے ہیں۔ اس عرصے میں رزق حلال کی تگ و دو میں مجھے کن کن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا' یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ اگر کبھی موقعہ ہوا اور ہمارے بھائی اقتدار صاحب مہربان ہوئے تو یہ داستان بھی آپ تک پہونچ جائے گی۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے بالآخر مجھے نہ صرف یہ کہ رزق حلال میسر فرما دیا بلکہ ایک ایسے کام میں لگا دیا ہے جس کی ادائیگی کے ذریعہ مجھے اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کی بھی امید ہے جس کے بعد کیا عجب کہ میرے اعمال سیۂ اعمال حسنہ میں تبدیل ہو جائیں اور آخری فوز عظیم حاصل ہو جائے۔ ع کہاں میں کہاں یہ مقام اللہ اللہ!

بہرحال یہ واقعہ مجھے اس لئے یاد آیا کہ آج جب میں قرآن اکیڈمی پہونچنے کے لئے صدر میں بھائی طارق کی گاڑی کا انتظار کر رہا تھا تو دیکھا کہ ایک پولیس والا موٹر سائیکل پر سوار آیا اور ایک ریڑھے والے کے قریب رکا۔ ریڑھے والے نے فوراً دس روپے نکال کر اس کے حوالے کئے اور وہ پولیس والا یہ جا اور وہ جا۔

قرآن کریم نے ان لوگوں کے' جنہیں اللہ تعالیٰ زمین میں اقتدار عطا فرماتا ہے' پہلے دو کام بتائے ہیں۔ اول اقامت صلوٰۃ اور دوم ایتائے زکوٰۃ۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت اپنی جگہ مسلم لیکن اسے تیسرے نمبر پر لایا گیا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو اقامت صلوٰۃ کے ذریعہ بندہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتا ہے۔ اقامت صلوٰۃ کا مغز دعا کو بتایا گیا ہے اور دعا بارگاہ الٰہی میں اس وقت تک مقبول نہیں ہوتی جب تک دعا کرنے والا حرام رزق سے بچا ہوا نہ ہو۔ دوسرے نمبر پر ایتائے زکوٰۃ ہے۔ ایتائے زکوٰۃ کی طرف دلی رغبت صرف اس صورت میں پیدا ہو سکتی ہے جب ایمان میں پختگی ہو۔ جب ایمان میں پختگی ہو تو حقوق العباد کا بھی خیال آتا ہے۔ پھر مومن زکوٰۃ کی ادائیگی کو بھی اپنی نجات کے لئے ناکافی سمجھتا ہے اور اس کے قدم خود بخود صدقات نافلہ کی جانب بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

یوں ایک ایسا معاشرہ وجود میں آتا ہے جس میں صلہ رحمی' باہمی اخوت اور ایثار کے معاملے میں لوگ ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن یہ سب کچھ کب ممکن ہے؟ ہم پھر قرآن کریم کے اس ارشاد کی جانب لوٹتے ہیں جو اوپر بیان کیا گیا ہے' یعنی جب اللہ کے بندوں کو زمین پر اقتدار نصیب ہوتا ہے۔ یعنی دوسرے الفاظ میں جب زمین پر نظام خلافت قائم ہو جائے۔

پاکستان کے قیام کا مقصد تو یہی تھا کہ یہاں خلافت کا نظام قائم ہوتا لیکن بدقسمتی سے ہم نے یہاں اسی نظام کو جاری و ساری رکھا جو فرنگی آقاؤں نے ایک محکوم قوم پر کنٹرول رکھنے کے لئے بنایا تھا۔ فرق صرف اتنا واقع ہوا کہ کہ پہلے ہمارا استحصال ایک غیر قوم کے ذریعے ہوتا تھا' اب اس غیر قوم کی جگہ اپنے ہی معاشرے کے بالا دست طبقوں نے لے لی۔ جاگیردار اور زمیندار کسانوں کے استحصال میں مصروف ہے تو سرمایہ دار محنت کشوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈال رہا ہے۔ ایسے میں ایمان کی پختگی اور رزق حلال کے حصول کی طرف ذہن کہاں جا سکتا ہے۔ اور پھر جب معاشرے میں شرافت و نجابت کا معیار پیسہ ہی بن جائے تو کون ہے جو اس دوڑ میں پیچھے رہنا پسند کرے گا۔ ایسے میں رشوت کی گرم بازاری نہ ہو گی تو پھر کیا ہو گی۔ جہاں ۔

لے کے رشوت پھنس گیا ہے
دے کے رشوت چھوٹ جا

کی بات ہو گی وہاں الراشی والمرتشی فی النار کی طرف کس کا ذہن جائے گا۔

اور ستم ظریفی دیکھئے کہ احساس زیاں کا حال یہ ہے کہ جب اس طرف لوگوں کی توجہ دلائی جائے تو لوگ اسے "مولویوں کی باتیں" کہہ کر ٹال دیتے ہیں۔ ایسے میں ہم عبدالدینار اور عبدالدرہم ہی بن سکتے ہیں' عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہرگز نہیں بن سکتے۔ اور اگر ہم واقعی عبداللہ اور عبدالرحمٰن بننے کے خواہاں ہیں تو ہمیں چاہئے کہ پاکستان کے وجود کو غنیمت جانیں۔ یہ ہم مسلمانوں کا ملک ہے۔ یہاں نظام مسلمانوں کا ہی چلنا ہے۔ ورنہ ۔

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے "پاکستان کے لوگو"!
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں

اقوام متحدہ کے اداراتی اخراجات

دراصل غریب ملکوں کے شہریوں پر پڑتے ہیں

اخذ و ترجمہ : سردار اعوان

افریقہ یا ایشیا میں ایک نیم جان بچے کی تصویر ذہن میں لائیں جو ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا زمین پڑا ہے اور اس پر مکھیاں بھنبھنا رہی ہیں۔ یہ تصویر ذرائع ابلاغ کے ذریعے بار بار لوگوں کو دکھائی جاتی ہے تاکہ اہل ثروت حضرات آگے بڑھ کر ان کی مدد کریں اور "انسانی ہمدردی" کا مظاہرہ کریں۔ انفرادی سطح پر جو لوگ اس "کار خیر" میں حصہ لیتے ہیں، فی الحال اسے فراموش کرتے ہوئے آیئے ذرا ایک نظر اس طریقہ کار پر ڈالتے ہیں جو بین الاقوامی سطح پر امداد فراہم کرنے کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔

یہ بات تو عام آدمی بھی جانتا ہے کہ اقوام متحدہ کا ادارہ چلانے کے لئے ہر ملک کو اپنے حصہ کی رقم ادا کرنا پڑتی ہے۔ بالالفاظ دیگر ہر شخص، خواہ غریب ہو یا امیر، اس میں اپنا حصہ ادا کر رہا ہے۔ تمام ممالک اپنی مجموعی قومی آمدنی (جی - این - پی) کا ایک مقررہ تناسب اقوام متحدہ کو ادا کرتے ہیں۔ اگر امریکہ اپنے جی - این - پی کا ۲۵ فیصد مہیا کرتا ہے تو بنگلہ دیش بھی ۲۵ فیصد ہی فراہم کرتا ہے۔ گویا کسی غریب ملک کا شہری اگر سالانہ ۲۵۰ ڈالر کما کر ۰.۵۰ ڈالر اقوام متحدہ کو دیتا ہے تو کسی امیر ملک کا شہری ۲۵،۰۰۰ ڈالر کی آمدن پر ۵۰ ڈالر دے گا۔

امدادی کھاتے میں اقوام متحدہ ہر سال ۶۰ بلین ڈالر کی رقم مختص کرتی ہے مگر یہ رقم براہ راست غریب ممالک کو نہیں دے دی جاتی بلکہ اس مقصد کے لئے ادارے قائم کئے گئے ہیں۔ جو یہ ہیں:

(۱) ایجنسی برائے بین الاقوامی ترقی (AID) جس کا سالانہ بجٹ ۸۰۰ ملین ڈالر ہے۔

(۲) خوراک اور زراعت کا عالمی ادارہ (FAO)۔ اس کا سالانہ بجٹ ۵۰۰ اور ۶۰۰ ملین ڈالر کے درمیان ہے۔

(۳) عالمی ادارۂ صحت (WHO) - سالانہ بجٹ ۵۰۰ ملین ڈالر۔

(۴) اقوام متحدہ کا بچوں کا بین الاقوامی فنڈ (UNICEF)- سالانہ بجٹ ۴۰۰ ملین ڈالر۔

(۵) اقوام متحدہ کی تعلیم، سائنس اور ثقافت کی تنظیم (UNESCO)- سالانہ بجٹ ۳۷۰ ملین ڈالر۔

(۶) ہائی کمیشن برائے مہاجرین (HCR)

(۷) عالمی بنک (ورلڈ بنک) اور بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (IMF) وغیرہ۔

سب سے اہم یہ آخری دو ادارے ہیں جو اپنے طریقہ کار اور معمولات کے اعتبار سے بہت حد تک آزاد ہیں۔

اقوام متحدہ کے علاوہ "یورپین ترقیاتی فنڈ" اور "عرب بنک برائے ترقی" جیسے ادارے ہیں جنہیں بالترتیب یورپی برادری اور عرب اور خلیج کی ریاستیں رقوم مہیا کرتی ہیں۔ ایک تیسری قسم اوکس فام، Oxfam کے طرز کے اداروں کی ہے جو مغرب میں بڑی تعداد میں موجود ہیں اور براہ راست عوام سے عطیات وصول کرتے ہیں۔

بین الاقوامی امداد اس شرط پر مہیا کی جاتی ہے کہ اسے نہ تو فوجی مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے گا اور نہ ہی قرض پر دیا جائے گا لہٰذا اسے یا تو ترقی پذیر ممالک میں جاری ترقیاتی منصوبوں پر صرف کیا جا سکتا ہے یا پھر کسی قدرتی آفت کے موقع پر امدادی کارروائی پر۔

۱۹۵۰ء میں ان امدادی رقوم کی مقدار ۱۸ بلین ڈالر تھی جو بڑھ کر آج ۶۰ بلین ڈالر تک پہنچ چکی ہے لیکن عام آدمی کے علم میں شاید یہ بات نہ ہو کہ اس رقم کا خاصا بڑا حصہ کبھی بھی غریبوں اور ناداروں تک نہیں پہنچ پاتا بلکہ اس کے برعکس یہ ادارے اپنے لئے عمارتوں، دفاتر، عملے اور ماہرین کی مد میں جو رقوم خرچ کرتے ہیں اس میں نکل جاتا ہے۔

اقوام متحدہ کے عملہ کی تعداد پچاس ہزار ہے جبکہ یہاں ایک کلرک کی تنخواہ کسی غریب ملک کے وزیر کی تنخواہ سے زیادہ ہے۔ ان ملازمین کے سفری اخراجات سالانہ ۱۰۰ ملین ڈالر ہیں جو ایک اوسط درجے کے منصوبے کے لئے درکار رقم سے سات گنا زائد ہیں۔ بین الاقوامی کانفرنسوں اور اجتماعات پر اٹھنے والے اخراجات ۱۴۰ ملین ڈالر ہیں، ۷۵ ملین ڈالر بین الاقوامی تعلقات کی مد میں ان کے علاوہ ہیں۔ گویا یہ ۳۱۵ ملین ڈالر تو کسی غریب کے کام آنے سے رہے۔ مزید برآں مذکورہ بالا امدادی ادارے امیر ممالک میں قائم ہیں جنہیں امداد کی ضرورت نہیں۔ مثال کے طور پر اقوام متحدہ کی بلند و بالا اور پرشکوہ عمارات نیویارک، روم، جنیوا اور پیرس میں واقع ہیں۔ ظاہر ہے ان دفاتر پر خرچ ہونے والی رقوم انہی امیر ممالک میں رہتی ہیں۔ بعض اوقات اقوام متحدہ کے ماہرین کی تنخواہیں وغیرہ خود ان منصوبوں پر اٹھنے والے اخراجات سے تجاوز کر جاتی ہیں جن کے لئے یہ ماہرین متعین کئے جاتے ہیں۔

مثال کے طور پر FAO کا مرکز روم میں ہے جہاں صرف اطالوی ملازم ہیں۔ ان کی تنخواہ پر ۶۰ ملین ڈالر خرچ ہوتے ہیں مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ FAO میں اٹلی کا حصہ صرف ۶ ملین ڈالر ہے۔

تیسری دنیا میں جو منصوبے جاری کئے جاتے ہیں، ان کے لئے مشینری اور آلات امیر ممالک سے خریدے جاتے ہیں۔ اس طرح اصل فائدہ غریب ممالک کے بجائے امیر ممالک اٹھاتے ہیں۔ فرانسیسی ٹی وی پر بتایا گیا تھا کہ امریکہ جو امدادی رقوم فراہم کرتا ہے ان کا ۷۰ فیصد امریکہ میں ہی رہ جاتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ غریب ممالک کو اقوام متحدہ سے اتنی امداد بھی نہیں ملتی جتنی وہ اپنے حصہ کی رقم اسے ادا کرتے ہیں۔ امداد کی شکل میں ملنے والے قرضوں پر سود کی ادائیگی الگ ہے۔ برازیل، میکسیکو اور کولمبیا کو اپنی مجموعی قومی آمدنی کا دو تہائی قرضوں کی واپسی کے لئے مختص کرنا پڑا حالانکہ انہیں ملنے والی امداد اس سے کہیں کم تھی۔ یہ درحقیقت غریبوں کی مدد نہیں بلکہ امیر ممالک کی طویل المیعاد سرمایہ کاری تھی جو اب عالمی کساد بازاری میں انہیں کام دے رہی ہے۔

('KHILAFA' لندن، جون ۹۳ء) ●●

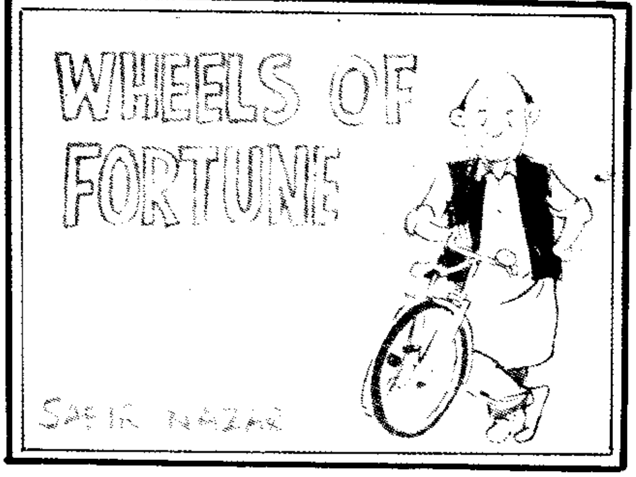

یہ کارٹون لاہور کے ہفت روزہ جریدے ''دی فرائڈے ٹائمز'' سے لیا گیا ہے جو ''ترقی پسندی'' کا علم بردار اور پی پی پی کا حامی ہے۔ ہم بھی نواز شریف صاحب کی وکالت تو نہیں کرتے کیونکہ نفاذ اسلام اور اجرائے شریعت کے سلسلے میں ان کے وعدوں کا حشر دیکھ چکے ہیں اور ہمارے قارئین کی فکرمندی کی نوعیت بقول غالب ان دنوں یہ ہے کہ ؎

کیا کیا خضر نے سکندر سے
اب کسے راہنما کرے کوئی!

لیکن ترقی پسندوں کو نواز شریف سے کد اس سبب سے ہے کہ خواہ عمل کے میدان میں ان سے اسلام دوستی کے سلسلے میں کوئی قابل ذکر حرکت سرزد نہیں ہوئی لیکن اسلام کا نام بھی وہ کیوں لیتے رہے تھے۔ ''بنیاد پرستی'' سے اعلان برائت وہ پہلے ہی کر چکے اور حالیہ انتخابی مہم میں اب تک اسلام اور شریعت کا نام بھی ان کے لبوں پر نہیں آیا لیکن کیا عجب کبھی بھولی ہوئی منزل انہیں یاد آ ہی جائے!

اب یہ دیکھنا اگرچہ باقی ہے کہ مذہبی جماعتیں اور دین کے نام لیوا نواز شریف صاحب کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ تاہم جس تصور سے ہمارے ان مہربانوں کے من میں لڈو پھوٹ رہے ہیں' لکیروں کی زبان میں اس کا خاکہ اس کارٹون سے ضرور حاصل ہو رہا ہے' ایک دلچسپ خاکہ ....

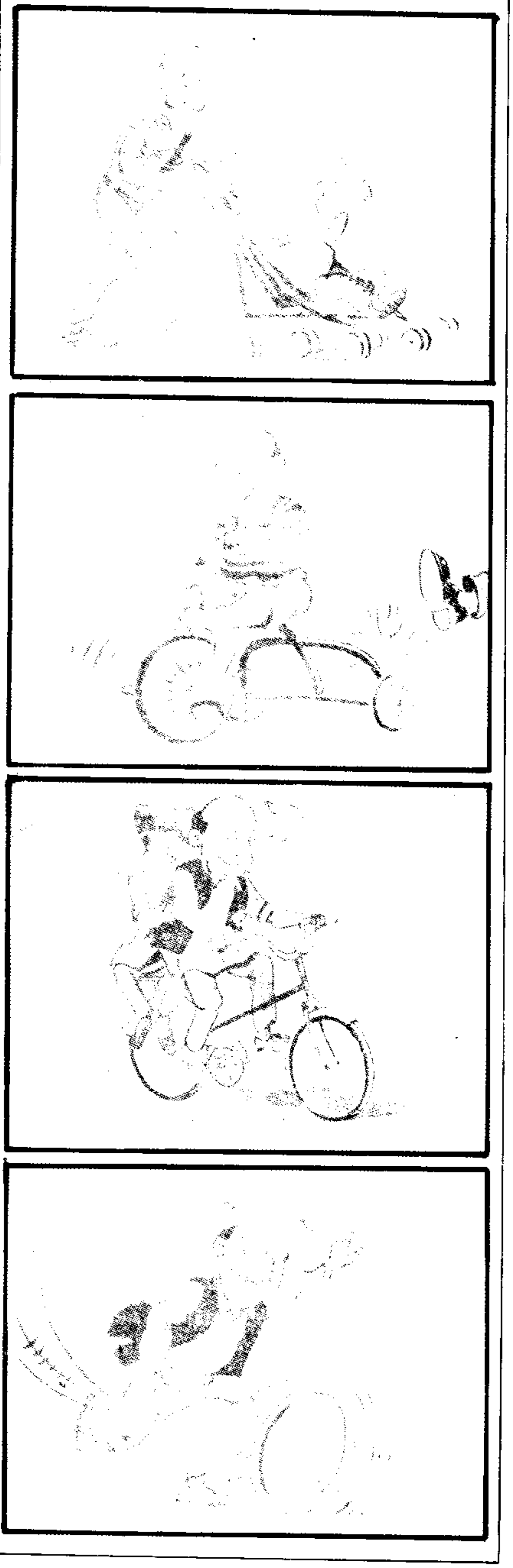

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

ہم نظام کو چلانے والے ہاتھ بدلنے کی کوشش میں نہیں' نظام کو بدلنے کی فکر میں ہیں

تحریک کے نئے ناظم اعلیٰ جنرل (ریٹائرڈ) انصاری کی پہلی پریس کانفرنس

لاہور۔ ۸ اگست: تحریک خلافت پاکستان کے ناظم اعلی میجر جنرل (ریٹائرڈ) محمد حسین انصاری نے یہاں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہم مارشل لاء سے تو جمہوریت کو بہرحال بہتر سمجھتے ہیں تاہم چونکہ اس اٹل حقیقت کا واشگاف انداز میں اعتراف و اعلان کرچکے ہیں کہ انتخابات کے ذریعے پاکستان میں وہ اسلامی نظام قائم نہیں ہو سکتا جس کے لئے اس ملک کو وجود میں لایا گیا تھا لہٰذا یہ ہمارا قطعی فیصلہ ہے کہ انتخابات میں حصہ نہیں لیں گے۔

بعض اخبارات میں شائع ہونے والی ایک خبر کے حوالے سے جنرل صاحب نے کہا کہ وہ جمیعت علماء پاکستان میں واپس نہیں گئے اور وہاں ان کے اپنا پرانا منصب سنبھالنے کی اطلاع کسی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ اب تحریک خلافت پاکستان کے دفتر میں بطور ناظم اعلی باقاعدگی سے بیٹھتے ہیں۔ جنرل صاحب نے مزید کہا کہ مولانا شاہ احمد نورانی سے ان کے ذاتی تعلقات بدستور استوار ہیں۔ انہیں مولانا سے کوئی نظریاتی اختلاف نہیں' اصولی اختلاف اس بات سے ہے کہ میں انتخابات کو اسلام کے حق میں بے سود سمجھتا ہوں جبکہ مولانا نورانی ابھی اس کی طرف سے مایوس نہیں ہوئے۔

لاہور میں ہونے والے دھماکوں کا ذکر کرتے ہوئے تحریک کے ناظم اعلی نے کہا کہ یہ سمجھنا درست نہیں کہ ملک کی دو بڑی پارٹیوں میں سے کوئی ایک ان کی ذمہ دار ہے۔ فی الحقیقت ایسے مواقع کو بھارت ہمارے ملک میں امن وامان کو غارت کرنے کے لئے استعمال کرتا رہا ہے اور انتخابات کی فضا کو بھی اسی نے مسموم کیا ہے۔ دینی جماعتوں کے ایک پلیٹ فارم پر متحد ہونے کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ اس کی خواہش بھی ہم رکھتے ہیں اور اس سے بہتری کی کچھ امید بھی کی جاسکتی ہے لیکن نظام کی جس تبدیلی کے لئے ہم کوشاں ہیں' اس کے لئے یہ نسخہ بھی کارگر نہیں ہو گا لہٰذا ہمارا ایسے کسی اتحاد میں شامل ہونا خارج از امکان ہے۔

جنرل صاحب کے سامنے اس اندیشے کا اظہار کیا گیا کہ تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت انتخابی اتحادوں میں شامل مذہبی جماعتوں کو دینی جماعتیں نہیں سمجھتیں جس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ ایسے کسی مغالطے کی کوئی گنجائش موجود نہیں کیونکہ ہم دین ومذہب کی علمبردار ہر جماعت کو مذہبی گروہ میں شامل کرتے ہیں اور ہمارا ان سے اختلاف ہے تو صرف اتنا کہ وہ انتخابات کو اس ملک میں اسلام کے مستقبل کے لئے مفید سمجھتے ہیں جبکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ انتخابات کسی نظام کو چلانے والے ہاتھوں کو بدلنے کی غرض سے لڑے جاتے ہیں وگرنہ نظام کی تبدیلی اس ذریعے سے ممکن نہیں اور نفاذ اسلام کی منزل ایک حقیقی انقلابی جدوجہد کے ذریعے ہی حاصل کی جاسکتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ سیاسی جماعتوں کی طرح مذہبی جماعتوں کے بھی اپنے اپنے مفادات ہیں جنہیں ان کے خیال کے مطابق کسی قسم کے پلیٹ فارم پر جمع ہونے کی شکل میں نقصان پہنچنے کا امکان رہتا ہے۔ اسی باعث اتحاد میں رکاوٹ پیش آرہی ہے ورنہ علیحدہ علیحدہ محاذوں پر چومکھی لڑنے سے یہ بدرجہا بہتر تھا کہ مل جل کر ایک ہی محاذ پر قوت مجتمع کی جاتی۔

اپنے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے جنرل صاحب نے کہا کہ تحریک خلافت کا قیام تو کچھ عرصہ قبل عمل میں آچکا تھا' انہیں اس کی نظامت علیا کا منصب حال میں سونپا گیا ہے۔ انہوں نے وضاحت کی کہ تحریک کے داعی اور موسس ممتاز دینی سکالر ڈاکٹر اسرار احمد ہے جن کی رہنمائی میں دو اور سطروں پر بھی دین کے فہم اور احیاء کا کام ہو رہا ہے۔ مرکزی انجمن خدام القرآن دین کے قرآنی فہم کی نشر و اشاعت میں مصروف ہیں جبکہ تنظیم اسلامی اقامت دین کے لئے ایک انقلابی عمل کا آغاز کرچکی ہے جو تاحال اگرچہ ابتدائی مراحل میں ہے تاہم پیش نظر منزل کے بارے میں کوئی ابہام نہیں پایا جاتا۔